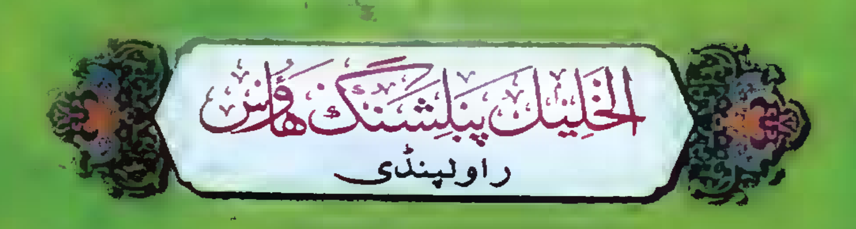
وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ



تالیف

مولانا مفتی ریاض محمد بگرامی
فاضل جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴
رئیس دارالافتاء تعلیم القرآن راولپنڈی



وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ

نظامِ مسجد

اور اسکے جدید مسائل

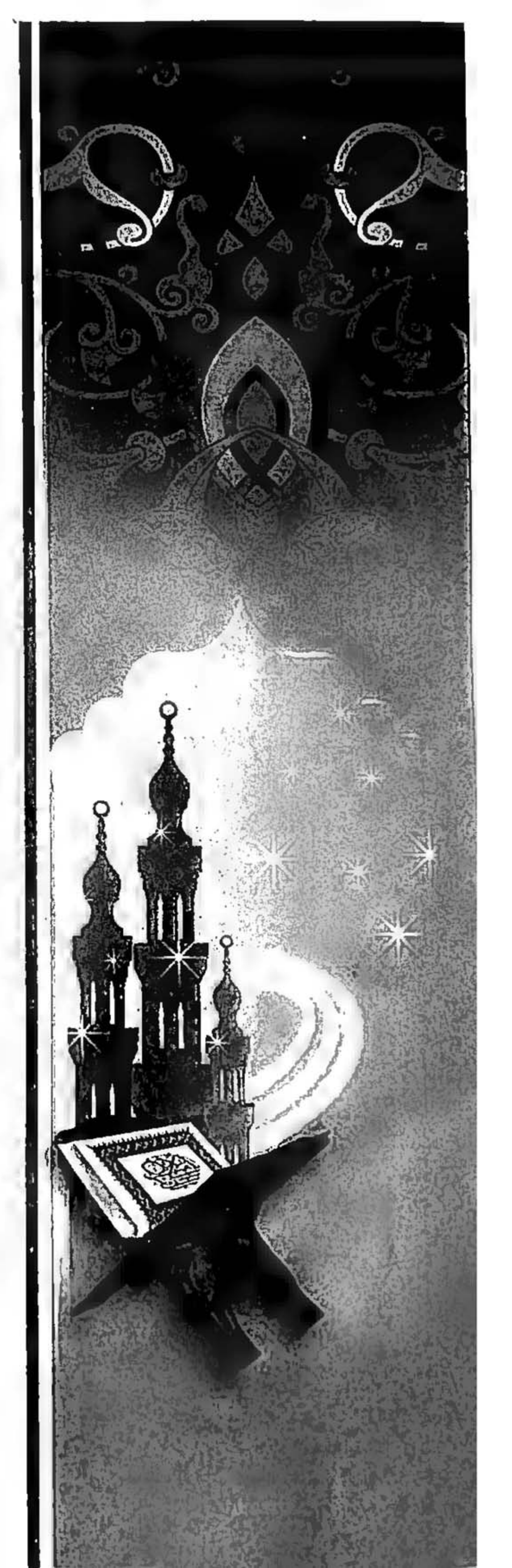
مسجد اور متعلقات مسجد کے تمام مروجہ جدید مسائل
پر قرآن وسنت، فقہ حنفی اور اکابرین امت کے
فتاویٰ کی روشنی میں پہلی مدلل کتاب

تالیف

مولانا مفتی ریاض محمد بٹگرامی

فاضل جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴
رئیس دارالافتاء تعلیم القرآن راولپنڈی

الخلیل پبلشنگ ھاؤس
دوکان نمبر 1-B فضل داد پلازہ اقبال روڈ، راولپنڈی
Ph: 051 - 5553248 , 0300 - 5034629



نام کتاب .... نظام مسجد اور اس کے جدید مسائل

مصنف .... مولانا مفتی ریاض محمد بٹگرامی

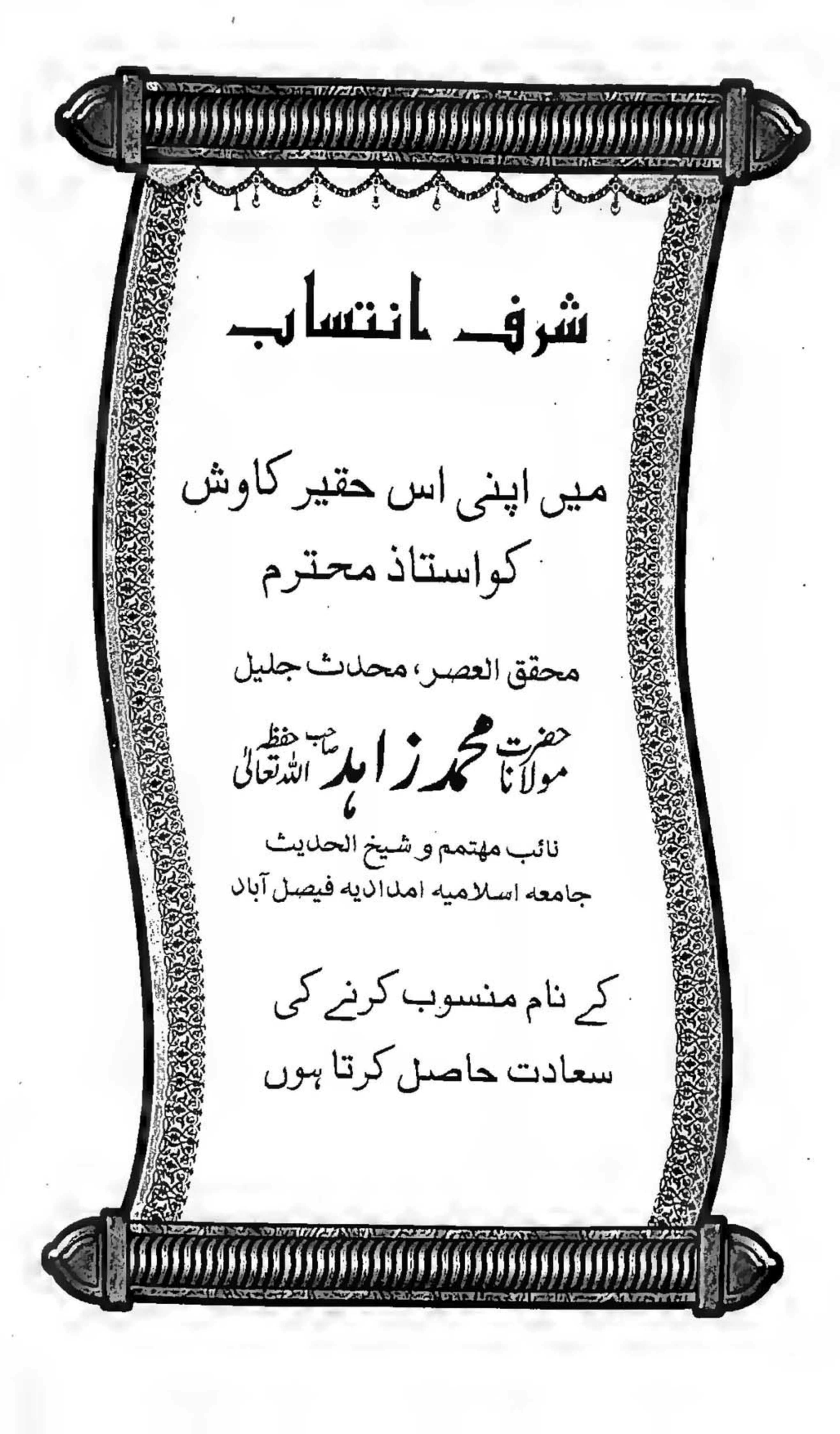
سرورق .... وسیم گرافکس، اردو بازار لاہور

ناشر .... الخلیل پبلشنگ ہاؤس، راولپنڈی

قیمت ....



- کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ مارکیٹ راجہ بازار، راولپنڈی
- احمد بک کارپوریشن، اقبال روڈ، راولپنڈی
- دارالاشاعت، کراچی
- زم زم پبلشرز، اردو بازار، کراچی
- مکتبہ معارف القرآن، احاطہ دارالعلوم کورنگی، کراچی
- اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن، کراچی
- کتب خانہ اشرفیہ، قاسم سینٹر، کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور
- مکتبہ سید احمد شہید، الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
- المیزان، الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
- مکتبہ حقانیہ، ملتان
- مکتبۃ العارفی، فیصل آباد
- مکتبہ سید احمد شہید، اکوڑہ خٹک
- مکتبہ معارف، محلہ جنگی، پشاور
- وحیدی کتب خانہ، قصہ خوانی بازار، پشاور
- بیت القرآن، حیدرآباد، سندھ
- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ



شرف انتساب

میں اپنی اس حقیر کاوش

کو استاذ محترم

محقق العصر، محدث جلیل

حضرت مولانا **محمد زاہد** صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

نائب مہتمم و شیخ الحدیث

جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

کے نام منسوب کرنے کی

سعادت حاصل کرتا ہوں

فہرست مضامین

الباب الاول فی الاعلان فی المسجد ومایتعلق به

(مسجد میں اعلان وغیرہ کا بیان)

مساجد میں اعلان کرنے کا حکم

مسجد میں کونسا اعلان درست ہے اور کونسا نہیں؟ اس بارے کچھ تفصیل ہے۔

(۱) مسجد کے قریب باہر جگہ یا دروازے پر اعلان کرنا، یہ جائز ہے خواہ کسی دینی امر کا اعلان ہو یا دنیاوی معاملہ ہو اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب نمازی نماز سے فارغ ہوکر نکل رہے ہوں تو اس وقت اعلان کرنا درست ہے۔یہ جائز نہیں کہ نمازی نماز میں مشغول ہوں یا فارغ ہوکر مسجد میں بیٹھے تسبیحات وغیرہ میں مصروف ہوں اور اعلان کیا جائے اور آواز مسجد کے اندر تک پہنچائی جائے، کیونکہ اس سے مسجد میں شور وشغب ہوگا۔

(۲) دروازے سے اندرونی حصہ میں کھڑے ہوکر اعلان کا وہی حکم ہے جو مسجد کے اندر کرنے کا حکم ہے جس کی تفصیل آتی ہے

(۳) مسجد کی شرعی حدود کے اندر اعلان کئے بغیر کسی کو کوئی اطلاع دینا بھی جائز ہے۔کیونکہ اس میں شور شرابہ نہیں ہے۔اگر دینی معاملہ ہو تو ظاہر ہے اور اگر دنیاوی معاملہ ہو تو بوقت ضرورت درست ہے اور یہ ایسے ہے جیسے بوقت ضرورت مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا۔

فتاوی رحیمیہ (۲۵۴/۵) میں ہے۔

بغیر اعلان کے طلب وتفتیش درست ہے۔

احسن الفتاوی (۴۷۴/۶) میں ہے۔

البتہ بدون اعلان انفراداً لوگوں سے پوچھنا یا وجدان لقطہ کی اطلاع دینا بلاشبہ جائز ہے ....ویسے بھی یہ دنیوی کلام کے زمرے میں آتا ہے جو ضرورةً مسجد میں جائز

ہے۔

(۴) مسجد کے اندر یا دروازے کے اندر سے بعض اعلان کرنا جائز ہیں اور بعض جائز نہیں، جن کی تفصیل یہ ہے۔

نماز جنازہ کا اعلان

اس بارے میں یہ تفصیل ہے کہ:

(۱) مسجد میں کسی کے انتقال اور نماز جنازہ کا اکٹھا اعلان بالاتفاق جائز ہے۔

(۲) صرف نماز جنازہ کا اعلان بھی بلاشبہ درست ہے، کیونکہ نماز جنازہ بھی نماز اور عبادت ہے، خواہ اعلان مسجد کے سپیکر پر کیا جائے یا سپیکر کے بغیر کیا جائے۔ جس میں صرف حاضرین کو مطلع کرنا مقصود ہو، سپیکر کے ہارن مشینری وغیرہ مسجد کے اندر ہوں یا باہر۔ اور سپیکر مسجد کے مال سے خریدا ہو یا کسی نے وقف کیا ہو۔ اس اعلان کا مقصد دوست، احباب اور رشتہ داروں کو مطلع کرنا اور نماز جنازہ میں شرکت کی دعوت دینا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب: اس پر یہ شبہ ہے کہ کسی کے انتقال کی خبر دینا خود نا جائز ہے، اس کو حدیث میں " نعی الجاهلية " کہا گیا ہے، پھر یہ عبادت کیسے ہے اور اس کا مسجد میں اعلان کیوں جائز ہے؟

فی جامع الترمذی (۱/۱۷۳) عن حذیفةؓ قال اذا مت فلا تؤذ نوبی احدا فانی اخاف ان یکون نعیا وانی سمعت رسول الله ﷺ ینهی عن النعی وعن عبد الله عن النبی ﷺ قال ایاکم والنعی فا ن النعی من عمل الجاهلیة قال عبدالله والنعی اذان بالمیت.

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں "نعی الجاهلية" سے منع کیا گیا ہے، زمانہ جاہلیت میں ایک رسم تھی کہ جب کسی کا انتقال ہوتا تو ایک آدمی سواری پر بھاگتا ہوا گلیوں، بازاروں اور لوگوں کے دروازوں پر جاتا اور آواز لگاتا پھرتا " انعی فلانا " میں فلاں کے انتقال کی خبر دیتا ہوں، نبی علیہ السلام نے اس رسم سے منع فرمایا ہے، جہاں تک

مطلقاً موت کے اعلان اور اطلاع دینے کا تعلق ہے تو یہ بلاشبہ جائز ہے اور نبی علیہ السلام سے ثابت ہے۔امام بخاریؒ نے اس کے جواز پر باب باندھا ہے پھر اس میں حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔جن میں سے ایک میں نجاشیؓ کے انتقال کا اعلان پھر جنازہ گاہ جا کر نماز جنازہ پڑھانے کا ذکر ہے۔

فی صحیح البخاری (۱/۱۶۷) باب الرجل ینعی الی اهل المیت بنفسه،

قال الحافظ فی الفتح (۳/۱۱۶) وفائدة هذه الترجمة الاشارة الی ان النعی لیس ممنوعا کله انما نهی عما کا ن اهل الجاهلیة یصنعونه الخ.

وقال الترمذی (۱/ ۱۸۳) قال بعض اهل العلم لا بأس بان یعلم الرجل قرابته واخوانه وروی عن ابراهیم انه قال لا بأس بان یعلم الرجل قرابته. وکذا فی الکوکب الدری (۳/۱۶۹) والخانیة (۱/۱۸۶).

وفی البدائع (۱/۲۹۹) ...وقد روی عن النبی ﷺ انه قال فی المسکینة التی کانت فی ناحیة المدینة ، اذا ماتت فاذنونی ولان فی الاعلام تحریضا علی الطاعة وحثا علی الاستعداد لها فیکو ن من باب الاعانة علی البر والتقوی الخ.

صرف فوتگی کا اعلان جائز نہیں

(۳) مسجد سے کسی کے محض انتقال کی خبر دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ کسی کے انتقال کی خبر دینا شرعاً صرف جائز ہے، عبادت اور قربت نہیں ہے۔

(۴) آج کل مساجد میں عموماً نماز جنازہ یا اس کا وقت بتلانے کے بجائے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ'' فلاں کا انتقال ہوا ہے اور اس کا جنازہ مکان نمبر فلاں اور گلی ومحلہ نمبر فلاں سے اٹھایا جائے گا، مسجد میں یا مسجد کے لاؤڈ سپیکر پر اس طرح کا اعلان بھی درست نہیں ہے۔اور عموماً یہ اعلان بھی کیا جاتا ہے کہ فلاں کا انتقال ہوا ہے اور اس کی نماز جنازہ

کا اعلان بعد میں کیا جائے گا، یہ بھی جائز نہیں کیونکہ یہ محض فوتگی کی اطلاع اور اعلان ہے۔

سپیکر سے سحری کا اعلان کرنا جائز ہے

سحری کیلئے جگانے یا سحری بند کرنے کا اعلان جائز ہے، یہ بھی نیکی اور عبادت ہے۔ کما فی خیر الفتاوی (۲/۷۷)

سحری کے لئے مروجہ اعلان کا حکم

نفس مسئلہ تو یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا البتہ اس وقت سحری کے لئے اعلان کا جو طریقہ مروج ہے وہ جائز نہیں ہے، شہر میں حکومت کی طرف سے بجائے جانے والے سائرن کی آواز اتنی ہوتی ہے کہ تقریباً ہر گھر میں بآسانی پہنچ جاتی ہے، مگر حکومتی سائرن بجتے ہی مسجدوں میں شور شرابہ شروع ہو جاتا ہے اور مسلسل اعلانات ہوتے رہتے ہیں، جن کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، اس میں کئی مفاسد اور خرابیاں ہیں:

(۱) یہ طریقہ متوارث اور منقول نہیں۔
(۲) لوگوں کی عبادت میں خلل آتا ہے۔
(۳) اس سے بیماروں، ضعیف اور بچوں کو تکلیف ہوتی ہے۔
(۴) ان کی نیند میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔
(۵) مسجد کے لاؤڈ سپیکر اور بجلی کا بے جا استعمال لازم آتا ہے۔

مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے دنیاوی کام کا اعلان جائز نہیں

مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے دنیاوی اعلان جائز نہیں مثلاً یہ کہ کسی چیز کی خرید و فروخت کا اعلان، تجارتی اعلان، محض سیاسی جلسے کا اعلان وغیرہ۔

پولیو کے قطروں کا اعلان

مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے پولیو کے قطرے پلانے کا اعلان بھی جائز نہیں، ہمارے ملک میں سال میں ایک دو بار پولیو کے قطرے پلائے جاتے ہیں اور متعلقہ محکمہ نے امام مسجد کے نام باقاعدہ تحریری پیغام جاری کیا ہوتا ہے، اس میں مکمل اعلان درج ہوتا ہے۔ بعض ائمہ مساجد اس کے مطابق اعلانات کرتے ہیں، یہ شرعاً درست نہیں ہے۔

بچے کی گمشدگی کا اعلان

مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے بچے کی گمشدگی یا دریافتگی کا اعلان درست ہے یا نہیں، اس بارے اکابرین کے فتاویٰ میں بظاہر ایک گونہ تعارض اور اختلاف پایا جاتا ہے۔

آپ کے مسائل (۱۴۳/۲) میں دو مختلف سوالات کے جواب میں ہے۔

....البتہ گم شدہ بچے کا اعلان انسانی جان کی اہمیت کے پیش نظر جائز ہے۔

دوسرے سوال کے جواب میں ہے۔

اور گم شدہ بچے کا اعلان بھی ضرورت کی بناء پر جائز ہے۔

جبکہ خیر الفتاوی (۷۴۶/۲) میں اسے ممنوع قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

صحیح یہی ہے کہ مساجد میں گم شدگی کا اعلان منع ہے، گم شدہ خواہ کسی جنس سے ہو.... ضالّہ کو متاع کے ساتھ خاص کرنا اور بچوں کو اس سے مستثنیٰ کرنا بلا دلیل ہے۔ نیز یہ تخصیص۔ علت منع کے بھی منافی ہے۔ مجمع بحار الانوار کی عبارت سے بھی عموم معلوم ہوتا ہے۔

ویدخل فیه کل مالم یبن له المسجد اھ (۷۰۱/۴)

وفیه ضالة المومن حرق النار وهی الضائعة من کل ما یقتنی من الحیوان وغیرہ (۱۴۱۲/۳)

تعارض و تطبیق: مسجد کے اندر بچے کی گمشدگی کا اعلان جائز نہیں خواہ لاؤڈ سپیکر

پر ہو یا اس کے بغیر، عدم جواز کا قول اسی پر محمول ہے، اگر لاؤڈ سپیکر مسجد سے باہر ہو تو اس پر بچے کی گمشدگی کا اعلان کیا جاسکتا ہے۔ جواز کا قول اسی پر محمول ہے۔

هذاالتطبيق ماخوذ من فتاوى دارالعلوم كراتشى(۱۰۰/۳۳) ومن فتاوى المفتى الاعظم محمد شفيعؒ (تبويب ۲۳۹۹/۵۰۲۷)وكذا فى خيرالفتاوى (۷۵۶/۲)

گمشدہ چیز کا اعلان

یہ اعلان کرنا کہ فلاں چیز گم ہوگئی ہے یا فلاں کو فلاں چیز ملی ہے، اس سے لے لی جائے، یہ اعلان جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ گم شدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنے کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) مسجد سے باہر گم ہوئی ہو۔
(۲) مسجد سے باہر ملی ہو۔
(۳) مسجد میں گم ہوئی ہو۔
(۴) مسجد میں ملی ہو۔

پہلی اور دوسری صورت میں اعلان ناجائز ہے البتہ بدون اعلان انفراداً لوگوں سے پوچھنا یا وجدان لقطہ کی اطلاع دینا بلاشبہ جائز ہے کیونکہ یہ دنیاوی کام کے زمرہ میں آتا ہے جو ضرورۃً مسجد میں جائز ہے کما مر۔ اور ان دو صورتوں کا عدم جواز کتب حدیث وفقہ میں مصرح ہے۔

فى العرف الشذى (ص:۱۶۲) واما انشاد الضالة فله صورتان احداهما ان ضل شى فى خارج المسجد وينشده فى المسجد لاجتماع الناس فهو اقبح واشنع واما لوضل فى المسجد فيجوز الانشاد بلا شغب.

تیسری اور چوتھی صورت کے بارے حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ

اللہ احسن الفتاوی (۶/۴۷۴) میں فرماتے ہیں۔

تیسری اور چوتھی صورت کے بارے کوئی حتمی فیصلہ نظر سے نہیں گزرا، مراجعت کتب اور حضور ﷺ کے بیان فرمودہ تفصیل "ان المساجد لم تبن لهذا" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اعلان بھی مسجد کے دروازے پر کیا جائے، انتھی

لہذا گم شدہ چیز کے اعلان کی چاروں صورتیں جائز نہیں، خواہ لاؤڈ سپیکر پر ہو یا اس کے بغیر ہو۔

مشکل کا حل: اس مشکل کا صحیح حل یہ ہے کہ اعلان یا تو مسجد کے دروازے پر کیا جائے۔یا گم شدہ چیز پہنچانے اور لینے کیلئے مسجد سے باہر الگ جگہ متعین کردی جائے۔

احسن الفتاوی (۶/۴۷۴) میں ہے۔

مساجد میں ایسا انتظام کرنا لازم ہے کہ گم شدہ چیز پہنچانے اور لینے کیلئے کوئی جگہ متعین کردی جائے ، اس تدبیر سے مسجدیں ہر وقت اعلان پر اعلان کے شور وشغب سے محفوظ رہیں گی۔ چنانچہ پولیس تھانہ میں یونہی ہوتا ہے۔وہاں کوئی اعلان نہیں کیا جاتا، افسوس کہ آج کے مسلمانوں کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کے گھر کی عظمت پولیس تھانہ جیسی بھی نہ رہی۔

اگر لاؤڈ سپیکر مسجد سے باہر ہوتو ؟

یہ پوری تفصیل اس وقت ہے کہ سپیکر کی مشینری، ایمپلیفائر، مائک وغیرہ مسجد کے اندر ہوں ، اس صورت میں جو اعلانات ناجائز ہیں اس کی کئی وجوہات ہیں مثلاً (۱) مسجد کا استعمال (۲) مسجد میں شور شرابہ (۳) مسجد کی مملوک یا مسجد پر وقف چیز کا ذاتی کام کیلئے استعمال وغیرہ ۔ اگر سپیکر کا مکمل سامان ہارن سمیت مسجد سے باہر ہوتو اس پر اعلان کے بارے یہ تفصیل ہے۔

(۱) اگر وہ سپیکر مسجد کی رقم سے خریدا گیا ہے یا کسی نے خرید کر مسجد کا مملوک کردیا ہے تو جو اعلانات مسجد کے اندر لگے سپیکر پر جائز نہیں اس پر بھی جائز نہیں، ہاں

انتظامیہ اگر اجازت دے اور اس میں مصلحت ہو تو اجرت لے کر اس پر اعلان ہوسکتا ہے، اجرت وکرایہ مسجد کی آمدن میں شمار ہوگا۔

(۲) کسی نے ذاتی لگایا ہے یا مسجد پر وقف کیا ہے اور وقف کرتے وقت اعلان کی اجازت دی ہے۔

(۳) چندہ سے خریدا ہے اور چندہ دھندگان نے اجازت دی ہے، تو ان دو صورتوں میں ہر وہ اعلان درست ہے جس قسم کی انہوں نے اجازت دی ہے۔

نظام الفتاوی (۱/۱/۳۰۱) میں ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے متعلق؟

مسجد کے مینارہ پر لاؤڈ سپیکر کا ہارن رکھا ہوا ہے باقی سامان یعنی ایمپلیفائر اور مائک وغیرہ مسجد کے اندر رکھے ہوئے ہیں جس میں اذان کے علاوہ خرید وفروخت اور گم شدہ چیزوں کا اعلان پیسے لیکر کیا جاتا ہے، ازروئے شرع یہ اعلان کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: اگر یہ لاؤڈ سپیکر مسجد کے پیسے سے خریدا گیا ہے تو اس کا مینارہ پر رہنا درست رہے گا۔ باقی خرید وفروخت یا گم شدہ کا اعلان وغیرہ کوئی دنیاوی کام کرایہ لے کر کرنا بھی درست نہ ہوگا۔ اور اگر چندہ کے پیسے سے خریدا گیا ہے اور چندہ دینے والوں نے ان سب کاموں میں استعمال کی نیت سے چندہ دیا ہے تو ان مذکورہ سب کاموں میں کرایہ لے کر بھی استعمال کرنا درست رہے گا۔ باقی اس صورت میں جس طرح مشین وغیرہ متصل اور الگ رکھی ہے اس طرح ہارن بھی مینارہ سے الگ رکھنا ضروری ہے۔ ہاں مینارہ سے الگ اور متصل رکھ سکتے ہیں۔

خیر الفتاوی (۲/۷۵۶) میں ہے۔

سوال: نماز جنازہ، بچہ کی گم شدگی یا کسی جانور کی گم شدگی کا اعلان مسجد میں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یا گم شدہ اشیاء کے ملنے پر اعلان کیسا ہے؟ علیحدہ علیحدہ حکم بتائیں۔

جواب: اگر سپیکر مسجد کے اندر ہو تو بجزء جنازہ کے باقی اعلانات مسجد میں کرنا درست نہیں۔ اگر مشینری اور ہارن وغیرہ سب باہر ہوں تو مذکورہ اعلانات درست ہیں۔

فیس دے کر اعلان کروانا

جن صورتوں میں مسجد کے لاؤڈ سپیکر پر اعلان جائز ہے، خواہ سپیکر کے آلات، مشینری، ایمپلیفائر، مائک وغیرہ مسجد کے اندر ہوں یا باہر، ان صورتوں میں اگر مسجد کی انتظامیہ اعلان پر فیس مقرر کر دے تو جائز ہے، یہ آمدنی مسجد اور مصالح مسجد پر خرچ ہوگی اور اگر انتظامیہ نے فیس مقرر نہ کی ہو، کوئی از خود دیدے تو بھی وصول کرنا جائز ہے، اور جن صورتوں میں اعلان شرعاً جائز نہیں ہے ان میں فیس پر بھی اعلان جائز نہیں ہے، ھذا ھو التطبیق۔

فتاوی محمودیہ (۲۱۰/۱۸) میں ہے،

سوال: گاؤں کے لوگ اپنی کسی چیز کی بابت مسجد کے لاؤڈ سپیکر پر اعلان کروائیں جب کہ مسجد کی کمیٹی اعلان کرانے کی فیس لیتی ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب: اہلِ مسجد کو اس کے استعمال پر معاوضہ لینا درست ہے، دینے والا رضا مندی سے معاوضہ دیتا ہے تو نفسِ استعمال کے معاوضہ میں مضائقہ نہیں ہے۔

مساجد میں نقّارہ رکھنا اور سحری افطاری کیلئے بجانا

سحری اور افطاری کا وقت بتانے کیلئے نقارہ بجانا جائز اور درست ہے، البتہ اسے مسجد کے اندر یا مسجد کی چھت پر رکھ کر بجانا جائز نہیں، مسجد سے باہر رکھ کر بجایا جائے۔ اور نقارہ کو مسجد میں رکھنا بھی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کے رکھنے سے نمازیوں کو تنگی نہ ہوتی ہو ورنہ باہر رکھا جائے۔

اور مسجد کے روپیہ سے نقارہ بنانے کی شرعاً، اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ لوگوں نے مسجد میں اسی غرض سے روپیہ دیا ہو کہ اس سے نقارہ بنایا جائے، یہ صورت جائز ہے۔ ایک یہ کہ جو روپیہ مصارف مسجد کیلئے جمع تھا اس سے نقارہ بنایا جائے، یہ جائز نہیں۔

فقد صرح فی الخلاصة ، انه لا یجوز لقیم المسجد ان یشتری جنازة او تختا لغسل الاموات من مال المسجد.

ماخذہ: امداد الاحکام (۴۳۲/۱)

فی الدر (۶/۳۵۰) وفی ذلک ضرب النوبة للتفاخر فلو للتنبیه فلا بأ س به.

وفی الشامیة: اقول : وینبغی ان یکو ن طبل المسحر فی رمضان لایقاظ النائمین للسحور کبوق الحمام تأمل .

مسجد کے مائک پر چندہ دینے والوں کا اعلان کرنا

آج کل بعض مساجد کے لاؤڈ سپیکر اور مائک پر چندہ دینے والوں کا اعلان کیا جاتا ہے، اس کا مقصد اگر دوسروں کو ترغیب دینا ہو تو یہ فی نفسہ جائز ہے لیکن اس جائز مقصد کے مقابلے میں مفاسد اور خرابیاں زیادہ ہیں ، مثلاً:

(۱) قوی امکان بلکہ غالب گمان ریاء ونمود، شہرت اور ناموری کا ہے، کہ لوگ اس لئے چندہ دینگے کہ لاؤڈ سپیکر پر ہمارا نام بھی پکارا جائے گا اور لوگ سن کر ہماری تعریف کریں گے، اس میں ثواب کیا الٹا گناہ اور سخت وبال ہے۔

(۲) جس نے تھوڑا چندہ دیا ہے لوگ اسے عار دلائیں گے جس سے اس کو شرمندگی اور ندامت ہوگی۔

(۳) یوں اعلان کرنے سے مسجد تجارت گاہ اور کمائی کا ذریعہ بن جائے گی۔

(۴) عرف عام میں کوئی بھی سلیم العقل شخص اس کی تحسین نہیں کرتا بلکہ برا اور ریا سمجھتا ہے۔

فتاوی محمودیہ (۴۱۰/۱۸) میں ہے۔

سوال: مسجد میں چندہ دینے والوں کا نام اگر مائک پر لیا جائے تا کہ دوسروں کو بھی رغبت ہو تو یہ جائز ہے یا نہیں ؟

جواب: درست ہے، لیکن اس کا خیال رہے کہ مسجد کو کمائی کی جگہ اور کمائی کا ذریعہ نہ بنائیں، مسجد سے علیحدہ اس کا انتظام کرلیا جائے، لیکن اگر اعلان کرانے والے کا مقصد یہ ہے کہ میرا نام سب کو معلوم ہوجائے کہ اس نے اتنا پیسہ دیا ہے تو یہ مقصد غلط ہے، شہرت اور ناموری کی نیت سے مسجد میں پیسہ دینا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہے۔

نیز فتاوی محمودیہ (۲۱۴/۱۸) میں ہے۔

مسجد کے مائک پر اس طرح اعلان کرنے میں ترغیب بھی ہے اور مفسدہ بھی ہے، ترغیب تو ظاہر ہے، مفسدہ دو طرح ہے، ایک اس طرح نام بنام اعلان کی وجہ سے لوگ تعریف کریں گے، اس تعریف کی وجہ سے بعض آدمی چندہ دینگے تاکہ ہمارا نام بھی بولا جائے اور لوگ سن کر ہماری بھی تعریف کریں، سو یہ نیت اخلاص کے خلاف ہے جس سے ثواب ضائع ہوجاتا ہے، دوسرے اس طرح مفسدہ ہے کہ جس نے چندہ کم دیا ہے اس کو شرمندگی ہوگی اور لوگ حقارت کی نظر سے دیکھیں گے، عار دلائیں گے، یہ ناجائز ہے، اس لئے اعلان کی یہ صورت قابل احتراز ہے۔

کسی جلسہ کا اعلان

اس بارے یہ تفصیل ہے کہ کسی عام سیاسی یا دنیاوی مقاصد کے لئے منعقد جلسہ کا اعلان مسجد کے لاؤڈ سپیکر پر جائز نہیں ہے، اور دینی اجتماع اور جلسہ کا اعلان درست ہے، خواہ اسی مسجد میں منعقد ہوا ہو یا کسی اور جگہ، اسی طرح حمد و نعت اور قراءت کی محفل کا اعلان بھی صحیح ہے، محلہ میں گھروں میں جو تبلیغ ہوتی ہے اس کا اعلان بھی درست ہے۔ مأخذہ: فتاویٰ محمودیہ (۲۲۱/۱۷ و ۲۲۶)

مسجد میں کونسا اعلان لگانا جائز ہے؟

مسجد میں مندرجہ ذیل قسم کے اعلانات لکھ کر لگانا جائز ہے۔

(۱) ہر وہ اعلان جس کا نفع خود مسجد کو پہنچے، مثلاً مسجد کے کسی کونے میں چندے کا ڈبہ رکھ دیا اور اس پر لکھ دیا "چندہ برائے مسجد" یا یہ اعلان کہ "مسجد میں کسی قسم کے چندے کا اعلان کرنا یا تقریر کرنا منع ہے" یا لکھ دیا "مسجد میں داخل ہوتے ہی اپنے موبائل فون بند کر دیجئے"۔

(۲) ہر وہ اعلان جس کا نفع نمازی کو پہنچے مثلاً پائے دان پر یا اس کے پاس لکھ کر لگا دیا کہ "جوتے یہاں رکھیں" یا "اپنے سامان کی خود حفاظت کریں"۔

(۳) ہر وہ اعلان جس کا تعلق نماز سے ہو مثلاً نمازوں کے اوقات کا بورڈ لگا دیا گیا یا جمعہ و عیدین کی تقریر اور خطبے کا وقت لکھ دیا گیا، یا نمازوں کے اوقات کی دائمی یا عارضی جنتری لگا دی، یا لکھ دیا کہ "سرخ بتی جلنے کے وقت سنتیں پڑھنا شروع نہ کریں" یا نماز کے طریقہ اور مسائل پر مشتمل کتبہ یا اشتہار چسپاں کر دیا گیا۔

(۴) ہر دینی کام کا اعلان لگانا مثلاً دینی جلسے کا اعلان، تبلیغی اجتماع کا اعلان، قرآن و حدیث یا مسائل پر مشتمل کتبہ، پوسٹر، اشتہار، تختہ بورڈ وغیرہ۔

دنیاوی امر کا اعلان لگانا جائز نہیں

دنیاوی کسی معاملے کا اعلان مسجد میں لگانا جائز نہیں، مثلاً تجارت و کاروبار کا اعلان۔ کفایۃ المفتی (۲۰۲/۳)

دینی امر کے ضمن میں دنیاوی اعلان لگانا

بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ اشتہار تو دینی معاملات و مسائل پر مشتمل ہوتا ہے لیکن آخر میں دکان، کمپنی، فیکٹری وغیرہ کا نام پتہ اور فون لکھ دیا جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ فی نفسہ اس کی اجازت ہے، بشرطیکہ دینی معلومات کی اشاعت مقصود ہو اور تجارت و کاروبار کا اعلان ضمناً اور تبعاً ہو، اگر مقصود ہی تجارت و کاروبار کی تشہیر ہو تو جائز نہیں۔ اس

زمانے میں اکثروغالب اپنے کاروبار کی تشہیر مقصود ہوتی ہے، دینی بات مقصود نہیں ہوتی، اسلئے ایسے اشتہار کا لگانا جائز نہیں۔ مسجد کی انتظامیہ اس پر پابندی لگائے۔

فتاوی محمودیہ (۲۴۱/۱۵) میں اس سوال کے جواب میں(کہ بعض لوگ یا جماعت کتبہ میں احادیث وغیرہ لکھ کر آخر میں اپنا نام لکھتے ہیں اور دعا کی درخواست کرتے ہیں ،اور کتبہ مسجد میں آویزاں کرتے ہیں) فرماتے ہیں کہ یہ منع نہیں چاہے نام آخر میں لکھا جائے یا پہلے۔مگر اس طرح نام لکھنے سے اس لکھنے والے فرد یا جماعت کی بھی تشہیر ہوتی ہے، جس کی بناء پر لوگ تعریف کرتے ہیں ،ایسا نہ ہو کہ کام کا مقصود تعریف ہی تک محدود ہو کر رہ جائے ، رضائے خداوندی اور اشاعت حدیث واحکام مقصود نہ رہے یا ان کے ساتھ نام آوری بھی مقصودیت کے درجے میں آجائے۔جیسا کہ کثرت سے اشتہاری لوگوں کا حال دیکھنے میں آتا ہے۔

تسبیح تراویح کا اشتہار لگانا

مذکورہ حکم میں تسبیح تراویح کا اشتہار بھی داخل ہے کہ اس کا مساجد میں لگانا صحیح نہیں ، مسجد کی انتظامیہ پر لازم ہے کہ اس کی اجازت نہ دے۔ایک تو اسلئے کہ چھاپنے اور آویزاں کرنے والوں کا مقصد فروغ تجارت ہے، دوسرے اسلئے بھی کہ مروّجہ تسبیح تراویح کا ثبوت حدیث سے نہیں ملتا ،اگر چہ اس کا مفہوم اور مطلب درست ہے اور پڑھنے کی اجازت ہے، لیکن یہ تسبیح تراویح کے ساتھ خاص نہیں، لوگوں نے اسے تراویح کے ساتھ خاص سمجھ رکھا ہے ،چنانچہ ''تسبیح تراویح'' نام انہی کا وضع کردہ ہے۔ اس کے چھاپنے اور مساجد میں لگانے سے مذکورہ خیال کو تقویت ملتی ہے،اور بعض لوگ اسے تراویح کے لئے ضروری سمجھنے لگے ہیں۔

مسجد کی دیواروں پر آیات قرآنیہ، احادیث ،اشعار وغیرہ لکھنا

اس بارے کچھ تفصیل ہے۔

(ا) نصف دیوار سے نیچے لکھنا، یہ جائز نہیں خواہ اعلان ہو یا اشعار یا آیات و احادیث، نہ اس کی ضرورت ہے نہ اس کا رواج ہے، اس میں آیات و احادیث کی بے حرمتی کا احتمال زیادہ ہے۔ اگر سامنے قبلہ والی دیوار پر ہوں تو نمازیوں کا خیال بھی منتشر ہوتا ہے۔

(ب) نصف دیوار سے اوپر لکھنا، اس کے احکام یہ ہیں۔

(ا) سابقہ تفصیل کے مطابق جو اعلانات مساجد میں لگانا جائز ہیں، انہیں دیوار پر لکھنا بھی جائز ہے، البتہ مستقل طور پر نہ لکھنا چاہئے، عارضی اعلان لگا دینا بہتر ہے۔

(۲) آیات قرآنیہ اور احادیث کا لکھنا مکروہ ہے۔اس کی وجوہ یہ ہیں

(ا) اگر سائٹ کی دیوار پر ہو تو دیوار گرنے کی صورت میں آیات و احادیث کے پامال ہونے کا احتمال ہے۔

(۲) اور اگر سامنے دیوار پر ہوں تو نمازیوں کا خیال منتشر ہوتا ہے اور خشوع و خضوع میں فرق آتا ہے، خواہ اونچی جگہ پر ہوں۔ کیونکہ پیچھے والے نمازیوں کو نظر آتے ہیں۔ یہی حکم درست اشعار، اور خلفاء راشدین کے نام لکھنے کا ہے۔ اگر کسی مسجد میں لکھ دیے جائیں تو یوں ہی رہنے دیئے جائیں یا ہٹا دینا چاہئے؟ اس بارے تفصیل یہ ہے کہ۔

(ا) اگر سنگ مرمر وغیرہ پر کندہ کروا کر لگائے گئے ہوں تو اب نہیں اتارنا چاہئے، اس میں ایک تو بے ادبی ہے دوسرا مال کا ضیاع۔

امداد الفتاوی (۲/۷۱۹) میں ہے۔

سوال: (۸۲۸) مساجد میں سنگ مرمر پر آیات قرآن کندہ کرا کر لگانے کا کیا حکم ہے؟ اگر جائز ہے تو اچھا ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء نے مکروہ لکھا ہے بوجہ احتمال بے ادبی کے، لیکن اگر کندہ ہو کر لگ گئے ہوں تو اب اس کا اکھاڑنا بے ادبی ہے۔لہذا اسکی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔

(۲) اور اگر پینٹ وغیرہ سے لکھائی کی گئی ہو، باقاعدہ کندہ نہ ہو تو انہیں چھلوا

دینا چاہئے۔

امداد المفتین (ص:۳۱۴) میں ہے۔

سوال: (۱۷۷) مسجد کے اندرونی حصے میں سامنے قبلہ کی دیوار پر قرآن شریف کی ایسی آیتیں جن سے اہمیت اور فضیلت نماز کی ظاہر ہوتی ہو۔نیز بسم اللہ وغیرہ لکھنا جائز ہے یا نہیں، اگر لکھدی ہوں تو کیا کیا جائے؟ اور تاریخی اشعار کا کیا حکم ہے؟۔

الجواب: دیوار قبلہ پر اور برابر کی دیواروں پر آیات قرآنی وغیرہ لکھنا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے مصلی کا خیال منتشر ہوتا ہے اور خشوع وخضوع میں فرق آتا ہے ،اور نیز اس میں بے ادبی کا بھی احتمال ہے،ایسا نہ ہو کہ دیوار مسجد گر جائے اور آیات قرآنی پامال اور بے حرمت ہوں، اسلئے جو آیات لکھی گئی ہیں بہتر یہ ہے کہ ان کو چھلوا دیا جائے اور اشعار وغیرہ لکھنا بھی نہیں چاہئے، اس کا بھی یہی حکم ہے، انتھی۔

واضح رہے کہ اس زمانے میں آیات واحادیث وغیرہ لکھنے کا عام رواج بن چکا ہے اور اسپر بلانکیر تعامل ہے۔اسلئے کراہت میں خفت آجائیگی اور بے حرمتی سے بچنے کا حل یہ ہے کہ اگر مسجد شہید کرنی ہو یا عام حالات میں دیوار یا مسجد کے گرنے کا احتمال ہو یا سنگ مرمر کے گرنے کا خطرہ ہو تو آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کو اہتمام کے ساتھ پہلے ہی اتار دیا جائے اور رنگ وروغن یا ملبہ کسی مناسب جگہ پر رکھ دیا جائے۔

فی الدر (۱/۶۶۳) ولا ینبغی الکتابة علی جدرانه۔

وفی الشامیة: ای خوفا من ان تسقط وتوطأ،بحر عن النهاية.

مسجد کی دیوار پر اشتہار لگانا اور لکھنا جائز نہیں۔

آجکل مسجد کے درودیوار پر اشتہار چسپاں کرنے اور چاکنگ کرنے کا رواج بن گیا ہے،شریعت کی رو سے یہ جائز نہیں، خواہ دینی اور مذہبی جلسے وغیرہ کا اشتہار ہو یا اچھے مقصد کیلئے لکھائی اور چاکنگ ہو۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل (۱۴۵/۲) میں ہے۔

سوال: مسجد اللہ کا گھر ہے ہر مسلمان پر اس کا احترام واجب ہے لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ مسجدوں کی دیواروں پر اشتہار چسپاں کر دیتے ہیں بلکہ الٹی سیدھی عبارتیں اور اعلانات بھی جلی حروف میں لکھ دیتے ہیں۔

مہربانی فرما کر یہ بتائیں کہ مساجد کی دیواروں کے ساتھ یہ سلوک کہاں تک جائز ہے؟ اور مشتہرین کو اس فعل کی کیا سزا اجزا ملنی چاہئے؟

جواب: مسجد کے دروازوں اور دیواروں پر اشتہار چپکانا دو وجہ سے ناجائز ہے ،ایک یہ کہ مسجد کی دیوار کا استعمال ذاتی مقاصد کیلئے حرام ہے ،چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ مسجد کے ہمسائے کیلئے یہ جائز نہیں کہ مسجد کی دیوار پر اپنے مکان کا شہتیر یا کڑی رکھے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مساجد کی تعظیم اور صفائی کا حکم دیا گیا ہے اور مسجد کی دیوار پر اشتہار لگانا اس کی بے ادبی ہے اور اس کو گندا کرنا بھی ، کیا کوئی شخص گورنر ہاؤس کے دروازے پر اشتہار لگانے کی جرات کر سکے گا ؟ اور اس کو اس کی اجازت دی جائیگی ؟ اور کیا اپنے مکان کے در و دیوار پر مختلف النوع اشتہار لگائے جانے کو پسند کرے گا؟ کیا مسلمانوں کی نظر میں اللہ کے گھر کی عظمت اپنے گھر کے برابر بھی نہیں رہی؟ افسوس ہے کہ مسجد کے در و دیوار پر اشتہار لگانے کی وبا عام ہورہی ہے ،نہ تو اشتہار لگانے والوں کو خانہ خدا کا احترام مانع ہوتا ہے، اور نہ ہی علماء کرام اس پر متنبہ فرماتے ہیں ،باور ہونا چاہیے کہ خانہ خدا کی آبادی شہر اور محلے کی آبادی کا ذریعہ ہے، اور خانہ خدا کی ویرانی ہمارے محلوں اور شہروں کی ویرانی و بربادی کا سبب ہے۔انتھی

احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ اس بارے کچھ تفصیل ضروری ہے، وہ یہ کہ مسجد کے در و دیوار کے اندرونی حصے پر عام چاکنگ اور اشتہار لگانا جائز نہیں،اس کی کچھ وضاحت آگے بھی آئیگی اور دیواروں کے بیرونی حصے پر اشتہار اور چاکنگ میں کچھ تفصیل ہے۔

(۱) عام ذاتی اور کاروباری اشتہار لگانا اور چاکنگ کرنا: یہ بلاشبہ ناجائز اور حرام ہے، مسجد کی انتظامیہ اس کی اجازت بھی نہیں دے سکتی، جس کی دو وجہیں آچکی ہیں،

(۱) مسجد کے ادب و احترام کے خلاف ہے (۲) مسجد کی دیوار کو ذاتی کام کیلئے استعمال کرنا پڑتا ہے۔

(۲) مسجد کے مفاد کیلئے چاکنگ کرنا: مثلاً دیوار کے کسی حصے پر یہ لکھ دیا کہ "مسجد کی دیوار پر اشتہار بازی اور چاکنگ منع ہے" شرعاً یہ جائز ہے، اس میں نہ ذاتی استعمال ہے اور نہ مسجد کے ادب و احترام کے خلاف کوئی بات ہے۔

(۳) دینی تقریب، مذہبی جلسے وغیرہ کا اشتہار لگانا اور چاکنگ کرنا: اس میں تفصیل ہے کہ چاکنگ تو جائز نہیں اور اشتہار لگانے کے بارے یہ تفصیل ہے کہ بہتر تو یہی ہے کہ اس کے لئے الگ کوئی جگہ مخصوص کردی جائے اور اگر کوئی جگہ نہ ہو تو مسجد کی دیوار کا ایک حصہ بھی مخصوص کیا جاسکتا ہے، یہ جائز ہے، لفقد الوجهين المذكورين۔ البتہ پورے درودیوار کو استعمال کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔

(۴) یہ پوری تفصیل اس وقت ہے کہ مسجد کی انتظامیہ کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو، اگر انتظامیہ کی طرف سے اجازت نہ ہو تو کسی صورت میں کسی قسم کا اشتہار لگانا اور چاکنگ کرنا جائز نہیں۔

مسجد میں سوال کرنا اور سائل کو کچھ دینا صحیح نہیں۔

آجکل مساجد میں سوال کرنے کا رواج بہت عام ہوگیا ہے، شہری مساجد میں ہر نماز کے بعد کئی بھکاری کھڑے ہوتے اور مانگتے ہیں، شریعت کی رو سے مسجد میں اپنے لئے مانگنا مکروہ اور منع ہے مطلقاً، اور ایسے شخص کو دینے میں دو قول ہیں۔

(۱) اسے دینا مطلقاً مکروہ ہے

(۲) تب مکروہ ہے جب کہ دوسروں کی گردنیں پھلانگنی پڑیں اور اگر نمازیوں کو ایذاء اور تکلیف ہو یا ان کی عبادت میں خلل آتا ہو تو بالاتفاق ناجائز ہے۔

اس زمانے میں شہروں کی مساجد خاص طور پر بھکار خانے بن چکی ہیں اور نمازوں کے اوقات میں بھکاری مساجد کا رخ کرتے ہیں، اور اس کا ایک سبب نمازیوں کا

ان کو کچھ دینا ہے ،اسلئے مساجد میں بھکاریوں کو کچھ بھی نہیں دینا چاہیے تا کہ ان کی حوصلہ شکنی ہو اور ایسے بھکاری عموماً پیشہ ور ہوتے ہیں ، ان کے پاس بہت مال ہوتا ہے، اس کے باوجود مسجد کا تقدس پامال کرتے اور پیسے بٹورتے ہیں، مسجد کی انتظامیہ پر لازم ہے کہ انہیں سختی سے روکے ۔

احسن الفتاوی (۴۶۰/۶) میں ہے۔

سوال: بسا اوقات مسجد میں سلام پھیرنے کے بعد فوراً کوئی سائل سوال کرتا ہے جس سے دعا میں خلل آتا ہے کیا اس کو روکنا جائز ہے؟

الجواب باسم ملهم الصواب :جس شخص کے پاس ایک وقت کا کھانا ہو یا کھانے پر قدرت ہو، اس کیلئے سوال کرنا اور اسے دینا حرام ہے، مسجد میں سوال کرنا یا سائل کو دینا دہرا گناہ ہے ۔ لہذا مسجد میں سوال کرنے والے کو روکنا فرض ہے ،باز نہ آئے تو مسجد سے نکال دیا جائے ،مگر یہ حکم مسجد کے منتظمین یا ان لوگوں کے لئے ہے جو اس پر قادر ہوں ۔ یہ بھی ضروری ہے کہ تمام نمازیوں کے سامنے یہ مسئلہ کھول کر بیان کیا جائے ۔انتھی ۔

فی الدر (۶۵۹/۱) ویحرم فیه السوال ویکره الاعطاء مطلقاً وقیل ان تخطی ،

وفی الشامیة (قوله وقیل ان تخطی) هو الذی اقتصر علیه الشارح فی الحظر حیث قال : فرع یکره اعطاء سائل المسجد الا اذا لم یتخط رقاب الناس فی المختار ، لان علیا تصدق بخاتمه فی الصلوٰة فمدحه الله تعالی بقوله ویؤتون الزکوٰة وهم راکعون.

مسجد میں مساجد اور مدارس کیلئے چندہ کا اعلان کرنا

مسجد میں اسی مسجد یا کسی بھی مسجد و مدرسہ کیلئے چندہ کرنا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

(ا) صفوں کو چیرنا اور کندھوں کو پھلانگنا لازم نہ آتا ہو۔

(۲) نمازیوں کو نماز میں خلل اور تشویش لاحق نہ ہوتی ہو۔
(۳) نمازیوں کے سامنے سے گزرنا نہ پڑتا ہو۔
(۴) شور وشغب نہ ہوتا ہو۔
(۵) چندہ کی صرف زبانی ترغیب ہو، جبر و اکراہ نہ ہو، نہ دینے والوں پر لعن طعن نہ ہو۔
(۶) اس کی ضرورت وحاجت ہو۔
(۷) نماز اور خطبہ کے وقت نہ ہو۔

امداد الفتاوی (۲/۷۲۸) میں ہے۔

سوال: ۸۳۹: جامع مسجد یا اور کسی مسجد میں چندہ مانگنا یا اس کی ترغیب دینا اور سائلوں کو صدقات خیرات دینا کیسا ہے؟

الجواب: اگر شق صفوف نہ ہو، مرور بین یدی المصلی نہ ہو، تشویش علی المصلین نہ ہو، حاجت ضروریہ ہو تو درست ہے۔

فتاوی محمودیہ (۱/۴۸۲) میں ہے۔

مسجد کی تعمیر یا امام کی تنخواہ کے لئے چندہ کرنا مسجد میں منع نہیں بشرطیکہ شور وشغف نہ ہو جیسا کہ عامۃً آجکل ہوتا ہے کہ ایک دوسرے پر طعن کرتے ہیں، غیرت دلاتے ہیں، کم چندہ دینے پر جھگڑے کرتے ہیں، غرض مسجد کا احترام ملحوظ نہیں رکھتے، یہ طریقہ منع ہے۔

نیز فتاوی محمودیہ (۱۲/۲۵۴) میں ہے۔

دینی ضرورت کیلئے مسجد میں چندہ کرنا مرحبا اور سبحان اللہ کہہ کر درست ہے مگر نمازیوں کی نماز میں خلل اور تشویش نہ ہونے پائے۔

عزیز الفتاوی صفحہ ۲۷ میں ہے۔

باقی امور دینیہ مثل مدارس اور انجمن کیلئے مساجد میں ممنوع نہیں جبکہ نماز اور خطبہ کے وقت نہ ہو جیسے مجمع وعظ میں مسجد میں چندہ امور خیر کیلئے کرنا کہ یہ درست ہے۔

اگر مذکورہ شرائط کا خیال نہ رکھا جائے تو مسجد ومدرسہ کیلئے چندہ کرنا درست نہیں۔

چنانچہ احسن الفتاوی (۶/۴۴۵) میں ہے۔

سوال: ایک مسجد میں کئی ہزار روپے پہلے سے جمع ہیں مگر پھر بھی حسب عادت جمعہ کے روز نمازیوں کے آگے پٹی گھما کر چندہ لیا جاتا ہے، کیا شرعاً یہ کام درست ہے؟

الجواب باسم ملہم الصواب: ضرورت ہو تو بھی اس طریقہ سے چندہ مانگنا جائز نہیں۔ اس میں یہ مفاسد ہیں۔

(۱) نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے۔

(۲) نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے، صف کو پھلانگ کر جانا ناجائز ہے۔

(۳) کسی کے سامنے پٹی کرنا چندے کیلئے خصوصی خطاب ہے جو جائز نہیں، اسلئے کہ اس میں دینے والے کی طیب خاطر معلوم نہیں خصوصاً دوسروں کے سامنے خصوصی خطاب میں جبر واکراہ ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ بدون طیب خاطر کسی کا مال لینا حلال نہیں۔

مسجد پر اشتہاری بورڈ لگانا اور اس کا کرایہ لینا جائز نہیں

یہ زمانہ اشتہار بازی اور پروپیگنڈہ کا زمانہ ہے، جگہ جگہ اشتہار بازی کے بورڈ لگے ہوئے نظر آتے ہیں، اس مقصد کیلئے مساجد کی چھتوں اور دیواروں کو بھی استعمال کیا جاتا ہے، اوران پر بورڈ نصب کر کے انتظامیہ مسجد کو کرایہ دیا جاتا ہے، شریعت کی رو سے مسجد کی ضروریات پوری کرنے کیلئے دکانیں تو بنائی جاسکتی ہیں، لیکن خود مسجد کو کرایہ پر چلانا اور اس پر روپیہ کمانا جائز نہیں ہے۔ مأخذہ: فتاوی محمودیہ (۱۰/۱۷۲)

مسجد کی چھت پر موبائل کھمبا لگانا اور اس کا کرایہ وصول کرنا

اس وقت بڑے شہروں میں عمارتوں پر موبائل فون کے کھمبے لگائے جاتے ہیں،بعض مساجد کی چھت پر بھی ایسے کھمبے نصب کئے جاچکے ہیں اور ماہانہ اس کا کرایہ وصول کیا جاتا ہے،یہ جائز نہیں ہے،اس کی وجوہ درج ذیل ہیں۔

(۱)خود مسجد کو کرایہ پر چلانا لازم آتا ہے اور سابقہ مسئلہ میں وضاحت آچکی ہے کہ ضروریات پوری کرنے کے لئے دکانیں بنانا درست ہے لیکن خود مسجد کو کرایہ پر لگانا جائز نہیں ہے۔

(۲)مسجد کے ادب واحترام کے خلاف ہے۔

(۳)مسجد کی چھت پر چڑھنا لازم آتا ہے۔

(۴)اس کھمبے کے ذریعے ہر قسم کی جائز وناجائز باتیں اخذ کی جاتی ہیں۔

(۵)مسجد پر بوجھ پڑتا ہے اور اسے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔

الباب الثانی فی الاموال والرقوم والتوزیع

(اموال، رقوم اور چندہ کا بیان)

ناجائز اور حرام آمدن والوں سے چندہ لینا

اس زمانے میں دیانت اور فرائض منصبیہ میں کوتاہی کی بنا پر حرام مال کا غلبہ ہے، کم ہی ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے اموال میں حرام کا کچھ نہ کچھ عنصر شامل نہ ہو، دوسری طرف مسجد کے اخراجات پورے کرنے کیلئے حلال مال ضروری ہے، حرام اور خبیث مال کا استعمال جائز نہیں ۔اسلئے مسجد کی ضروریات کیلئے حرام مال سے چندہ وصول کرنے میں یہ تفصیل ہے:

(۱) اگر دینے والا کہدے کہ یہ حرام مال ہے تو اس کا قبول کرنا جائز نہیں ۔

(۲) اگر وہ تصریح کردے کہ یہ حلال اور طیب مال دے رہا ہوں، تو اسے قبول کرنا جائز ہے، اس سے پوچھ گچھ اور تفتیش کی ضرورت نہیں ، بلکہ تفتیش درست ہی نہیں کیونکہ وہ مسلمان ہے ،آخرت سے ڈرتا ہے، ہوسکتا ہے اس نے قرض لیکر دیا ہو، اسلئے اس کی بات تسلیم کی جائیگی اور جب تک دلیل شرعی سے ثابت نہ ہوجائے کہ وہ واقعی حرام پیسہ دے رہا ہے، اس کا پیسہ قبول کرنا جائز ہے ۔

(۳) اگر اس کی طرف سے کوئی تصریح نہ ہو ، نہ حرام کہتا ہے، نہ حلال کہتا ہے، بسا اوقات اس سے پوچھنا بھی مصلحت کے خلاف ہوتا ہے ،اسلئے اندازہ لگایا جائے گا اور اس کی کئی صورتیں ہیں ۔

۱) اس کا سارا مال حرام ہو۔

۲) اس کا زیادہ مال حرام کا ہو، حلال مال کم ہو۔

۳)حلال وحرام برابر ہوں ،ان دونوں صورتوں میں اس سے چندہ وصول کرنا جائز نہیں۔

۴)زیادہ حلال اور کم حرام ہو تو اس سے چندہ لینے کی گنجائش ہے۔

۵) شبہ ہے کہ حرام زیادہ ہے یا حلال؟ تو ایسی صورت میں چندہ وصول کرنے سے احتراز بہتر ہے۔

فی الهندية (۳۴۳/۵) اٰکل الربوا و کاسب الحرام اهدی اليه او اضافه وغالب ماله حرام لايقبل ولاياكل مالم يخبره ان ذلک المال اصله حلال ورثه اواستقرضه وان كان غالب ماله حلالا لاباس بقبول هديته والا كل منها ، وانظر حكم المال الحرام في الشامية:(۱۹۰/۲) و(۹۸/۵) و(۳۳۵/۵) و(۲۹۱/۳)

چندہ کے مصارف

مسجد کا چندہ کن کن کاموں پر خرچ کرنا درست ہے؟ اس بارے یہ تفصیل ہے کہ اگر چندہ دینے والے نے کوئی مد متعین کردی ہو تو اس کی رقم اسی مد میں خرچ کرنا ضروری ہے۔

فی الشامية (۳۴۳/۴) فا ن شرائط الوقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع وهو مالک ،فله ان يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية وله ان يخص صنفا من الفقراء ولو كان الوضع في كلهم قربة ومثله في البحر (۲۱۵/۵) والخانية (۲۹۱/۳)

اور اگر عمومی چندہ دیا ہے یا کسی مد کی تعیین نہیں کی تو ایسے چندہ کی رقم ہر اس کام میں خرچ کی جاسکتی ہے جو مصالح مسجد سے متعلق ہو، جیسے مسجد کی تعمیر،توسیع ،مرمت امام ومؤذن کی تنخواہ ، ان کے گھروں کی تعمیر وتوسیع ،بیت الخلاء، غسل خانوں کی تعمیر ومرمت، اور جو کام مصالح مسجد سے نہیں اس میں خرچ کرنا درست نہیں۔

فی الدر (۳۶۶/۴) ویبدأ من غلته بعمارته ثم ماهواقرب لعمارته کامام مسجد ومدرس مدرسة یعطون بقدرکفایتهم ثم السراج والبساط کذلک الی آخر المصالح وتمامه فی البحر وان لم یشترط الواقف لثبوته اقتضاء ، ومثله فی الشامیة (۳۶۸/۴)

وقف آمدنی شیرینی اور مٹھائی پر خرچ کرنا جائز نہیں

ختم قرآن مجید وغیرہ کے موقعہ پر جوتقریب ہوتی ہے، اس کیلئے مسجد کے عام چندہ اور وقف رقم سے شیرینی خریدنے اور اس قسم کے خرچ کرنا جائز نہیں کیونکہ شیرینی مصالح مسجد میں داخل نہیں ۔امداد الفتاوی (۷۰۹/۲) قطع نظر اس بات سے کہ ختم قرآن کے موقعہ پر ایسی تقریب کا شرعی حکم کیا ہے؟ اس کیلئے شیرینی کے انتظام کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ اہل محلہ اور نمازی حضرات اسی مقصد کیلئے اپنی خوشی سے رقم دیدیں ۔

مسجد کی آمدنی سے جلسوں کے اخراجات کا حکم

جلسوں کے اخراجات مسجد کی عام آمدنی اور چندہ سے دینا جائز نہیں، جلسہ مسجد کے مصالح میں داخل نہیں ،عزیز الفتاوی (ص: ۵۹۶) کتاب الوقف ۔

مسجد کے روپیہ سے گھنٹہ رگھڑی وغیرہ خریدنا

فتاوی رشیدیہ (ص:۴۱۴) میں ہے ۔

سوال : مسجد کا روپیہ جو مرمت سے باقی رہ گیا ہے ،اگر اس روپیہ کو باجازت چندے دھندگان اس مسجد میں واسطے جھگڑے جماعت اور پابندی جماعت کے اس روپیہ جمع شدہ چندہ سے جو بنام مرمت مسجد کے سابق میں جمع کیا تھا اور اس مرمت سے روپیہ

باقی رہ گیا اگر اس روپیہ کی گھڑی یا گھنٹہ خرید کیا جائے تو حضور کیا حکم دیتے ہیں؟

جواب: جو روپیہ مرمت مسجد کیلئے آیا ہے، اس میں امام یا مؤذن مقرر کرلینا درست ہے اور گھنٹہ خرید لینا بھی درست ہے۔

مسجد کی رقم سے وضو کا پانی گرم کرنا

فتاویٰ محمودیہ (۱۸/۱۹۰) میں ہے۔

جو رقم مسجد کے مصالح کے لئے جمع ہو، اس روپیہ سے نمازیوں کے لئے سردی کے زمانے میں پانی گرم کرنا درست ہے، تاکہ باسانی وضو کرلیا کریں۔

نیز فتاوی محمودیہ (۱۵/۲۰۴) میں ہے۔

مسجد کی چھت سے اتری ہوئی لکڑی وغیرہ سے مسجد کے نمازیوں کے لئے پانی گرم کرنا درست ہے، جبکہ وہ سامان بے کار ہو۔

مسجد کی رقم سے مسجد کیلئے بالٹی خریدنا

مسجد کے عمومی چندہ سے مسجد کے کیلئے بالٹی خریدنا اور اس کے غسل خانوں میں رکھنا تاکہ نمازی اور مسافر بالخصوص جماعت کے احباب بسہولت غسل کرلیا کریں، جائز ہے، یہ بھی مسجد کے مصالح میں داخل ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص بالٹی ہی خرید کر مسجد کے غسل خانے میں رکھ دے، تو بھی درست ہے، کار ثواب ہے۔ماخذہ: فتاوی محمودیہ (۱۵/۲۲۷)

مسجد کی رقم سے مردہ نہلانے کا تختہ اور جنازہ کی چارپائی خریدنا

ہمارے عرف میں یہ دونوں چیزیں مصالح مسجد میں شمار ہوتی ہیں، دونوں

کو مسجد سے منسلک سمجھا جاتا ہے، اس لئے مسجد کی رقم سے میت کو غسل دینے کا تختہ اور جنازہ کی چارپائی خریدنا درست ہے۔

فتاویٰ محمودیہ (۲۳۱/۱۵) میں مسجد کی رقم سے ان کی خریداری کو ناجائز لکھا ہے بظاہر یہ وہاں کے عرف پر محمول ہے۔

مسجد کی رقم ذاتی حاجات میں خرچ کرنا اور قرض دینا جائز نہیں

مسجد کا چندہ اور اس کی رقم خزانچی کے پاس امانت ہوتی ہے، اسے بعینہ محفوظ رکھنا ضروری ہے، اس میں کسی قسم کا تصرف جائز نہیں، چنانچہ اس کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ رقم اپنی ضرورت میں خرچ کردے، بعد میں اس کی ادائیگی کرے، یہ خیانت ہے اور کسی کو قرض بھی نہیں دے سکتا، سخت گناہ ہے، اگر دیدی تو وہ اتنی رقم کا ضامن ہوگا اور اس وجہ سے اسے معزول بھی کیا جاسکتا ہے۔

فی البدائع (۲۱۰/۶) واما بیان حال الودیعة فحالها انها فی ید المودع امانة لان المودع مؤتمن فکانت الودیعة امانة فی یده ویتعلق بکونها امانة احکام منها وجوب الرد عند الطلب الخ

مسجد کی رقم تجارت میں لگانا

مسجد کی رقم اگر کافی ہو اور ضروریات سے زائد ہوتو اسے چند شرائط کے ساتھ تجارت میں لگانا درست ہے، وہ شرائط یہ ہیں:

(۱) رقم ضرورت سے زائد ہو، یہ نہ ہو کہ مسجد کے واقعی اخراجات پورے نہیں ہورہے اور انتظامیہ اسے تجارت میں لگانے پر مصر ہو۔

(۲) اس کا نفع مسجد کو ملے، یہ جائز نہیں کہ تجارت سے حاصل ہونے والا نفع متولی، کمیٹی کا فرد یا کوئی اور شخص خود لے۔

امداد المفتین (ص: ۷۸۰) میں ہے۔

دوکانوں کی آمدنی سے جو روپیہ حاصل ہو، اگر وہ ضروریات مسجد سے زائد ہو تو مسجد کے نفع کیلئے اس کو تجارت میں لگانا جائز ہے۔

(۳) مسجد کی رقم انتظامیہ کے اتفاق رائے سے تجارت میں لگائی جائے۔

(۴) اگر چندہ کی رقم ہے تو دینے والوں کی طرف سے اس کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو۔

امداد الفتاوی (۷۲۶/۲) میں ہے:

سوال (۸۳۶): دریں دیار کہ مرسوم برائے اخراجات ضروری مسجد اھل محلہ چیزے از نقود می دھند شدہ از بقیہ خرچ چیزے از نقود فراہم آید ازیں نقود برائے زیادتی مال مسجد تجارت درست است یا نہ؟

الجواب: باذن معطین درست است فقط۔

(۵) وہ تجارت ایسی ہو کہ جس میں نفع غالب اور خسارہ کا احتمال کم ہو۔

احسن الفتاوی (۴۶۳/۶) میں ہے:

سوال: زید متولی نے بکر کو مسجد کی رقم مضاربت پر دیدی کہ جو نفع آئے وہ مسجد کے کام میں لگا دیا جائے کیا یہ شرعاً درست ہے؟ بینوا توجروا:

الجواب باسم ملھم الصواب: اگر نفع کی توقع غالب ہو تو جائز ہے۔

(۶) مسجد کی رقم تجارت کے سلسلے میں جس شخص کو فراہم کیجارہی ہے، وہ امانت دار بااعتماد اور قابل بھروسہ ہو۔ اور بہتر یہ ہے کہ اس سے ضامن بھی لے لیا جائے۔

(۷) آئندہ مستقبل میں اس رقم کی جلدی ضرورت بھی نہ ہو۔

(۸) وہ تجارت شرعاً جائز بھی ہو، اگر تجارت ہی ناجائز ہے تو اس میں مسجد کی رقم لگانا بالکل حرام ہے۔

اگر مذکورہ بالا شرائط کا خیال رکھا جائے تو مسجد کی رقم تجارت میں لگانا درست ہے اور اگر ان کی رعایت نہ ہو تو جائز نہیں۔

فتاوی محمودیہ (۴۹۲/۱) اور (۳۰۴/۱۲) اور خیر الفتاوی (۷۲۹/۲) میں اسے

ناجائز قرار دیا ہے، یہ عدم جواز مذکورہ بالا شرائط پوری نہ ہونے کی صورت پر محمول ہے۔

نظام الفتاوی (۱/۲۱۴) میں ہے۔

سوال: کسی مدرسہ یا مسجد کی رقم اس بازار ڈاک کے شیئر "حصص" میں لگا کر اس میں سے مدارس، مسجد کیلئے نفع حاصل کرنا جائز ہوگا؟

الجواب: کسی مسجد یا مدرسہ کے پیسے سے اس بازار ڈاک "حصص" خریدنا بچند وجوہ درست نہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ دینے والے کی منشاء عموماً یہ ہوتی ہے کہ اس کا پیسہ بعینہٖ کار خیر میں صرف ہو اور یہ چیز اس کے منشاء کے خلاف ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر کبھی نقصان ہوگا تو ان لگانے والوں پر ضمان واجب الاداء ہوگا جو جھگڑے اور نزاع کا سبب ہوگا، تیسری وجہ یہ کہ یہاں پر ڈاک میں جو چیز "سودا" مبیع بنتی ہے وہ نہ تو موجود ہوتی ہے نہ مملوک ومقبوض یا معلوم، کچھ بھی نہیں ہوتی ہے اور بیع مالم یملک، وبیع مالم یوجد، وبیع مالم یقبض، بیع مجہول ناجائز ہیں۔

فی الهداية (۳/۳۴) باب البيع الفاسد، ولا يجوز بيع السمک قبل ان يصطاد لانه باع مالايملكه ولاحظيره اذا كا لايؤخذ الا بصيد لانه غيرمقدور التسليم ولا بيع الطير فی الهواء لانه غير مملوک قبل الاخذاه.

واضح رہے کہ اگر تجارت میں نقصان ہو تو اس کا ضمان لگانے والوں پر تب واجب ہوگا جبکہ مذکورہ شرائط کا لحاظ نہ کیا ہو، اگر مذکورہ بالا شرائط موجود تھیں اس کے باوجود اتفاقاً نقصان ہوگیا تو دینے والے ضامن نہ ہونگے۔

مسجد کی رقم بنک میں رکھنا

مسجد کی رقم بنک کے سودی کھاتوں سیونگ اکاؤنٹ اور فکسڈ ڈپازٹ میں رکھنا اور اس پر سود حاصل کرنا جائز نہیں کما بينّا فی الشرط الثامن، ہاں البتہ کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھ سکتے ہیں، اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔

کافر کا مال مسجد میں لگانا اور ان سے چندہ لینا

کافر اگر کوئی مال یا چندہ مسجد کو دے تو چند شرائط کے ساتھ اس کا مال مسجد میں لگانا جائز ہے۔

(ا) وہ کافر اسے عبادت اور قربت سمجھ کر دیتا ہو، احناف کے ہاں وقف کے درست ہونے کیلئے اس کا قربت ہونا ضروری ہے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ وقف کنندہ کے مذہب میں قربت ہونا شرط ہے یا کہ واقف کے خیال وعقیدہ میں قربت ہونا کافی ہے، صحیح یہ ہے کہ وقف کنندہ کے خیال میں قربت ہونا کافی ہے، مذہب میں قربت ہونا ضروری نہیں، اسلئے اگر کسی کافر کے مذہب میں مسجد بنانا قربت نہ ہو لیکن وہ کہتا ہے کہ میں اسے کار ثواب سمجھتا ہوں تو اس سے چندہ لینا درست ہوگا۔ البتہ امداد الفتاوی (۲/۶۶۸) میں پہلی رائے کو راجح لکھا ہے۔

فی الدر المختار (۴/ ۳۴۱) وان یکون قربة فی ذاته ان شرط وقف الذی ان یکون قربة عندنا وعندهم کالوقف علی الفقراء اوعلی مسجد القدس الخ

وفی البحر (۵/۱۹۰) لو وقف علی مسجد بیت المقدس فانه صحیح وانه قربة عندنا وعندهم وکذا فی فتح القدیر (۵/۴۱۷) ومعارف القرآن (۴/ ۳۳۱)

(۲) یہ خطرہ نہ ہو کہ کافر آئندہ مسلمانوں پر احسان جتلائے گا۔

(۳) یہ احتمال بھی نہ ہو کہ مسلمان کافروں کے احسان مند ہو کر آئندہ ان کے مذہبی شعائر میں شرکت کرینگے یا ان کی خاطر اپنے مذہبی شعائر میں مداہنت کریں گے۔

(۴) یہ خطرہ نہ ہو کہ آئندہ وہ مسجد میں ملکیت کا دعویٰ کردیں گے۔

(۵) یا مسلمانوں پر دباؤ ڈالیں گے اور اپنا مقصد حاصل کریں گے۔

امداد الفتاوی (۲/۶۶۴) میں ہے:

سوال (۱۷۷) : علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مقام پاتھرڈیہ ضلع مان بھوم میں ایک مسجد نئی تیار ہوئی ہے اور اس میں ہندولوگ چندہ دینا چاہتے ہیں، وہ روپیہ ہندولوگوں کا مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب : اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل کو اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے ممنون ہوکر ان کے مذھبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے اس شرط سے قبول کرلینا جائز ہے۔

نیز امداد الفتاوی (۲/۶۶۶) میں ہے۔

اور تقریر ثانی کی یہ ہے کہ بوجہ احتمال منت علی المسلمین فی امرالدین کے اس سے بچنا چاہیے جیسا کہ سوال میں بھی نقل کیا ہے۔

فتاوی محمودیہ (۱/۴۷۰) میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔

اگر ان کے نزدیک یہ روپیہ، تیل وغیرہ مسجد میں دینا ثواب کا کام ہے تو درست ہے ورنہ نہیں، پہلی صورت میں اگر کوئی خارجی امر مانع ہو مثلاً کسی فتنہ کا اندیشہ ہو یا وہ لوگ بعد میں ملکیت کا دعویٰ کریں یا مسلمانوں پر احسان رکھیں یا دباؤ ڈالیں تو پھر براہ راست روپیہ وغیرہ ان سے نہ لیا جائے، اگر وہ دینا چاہیں تو کسی مسلمان کی ملک کردیں اور پھر وہ مسلمان مسجد میں دیدے۔

(۶) کفار سے مانگا نہ جائے، یعنی کافر خود چندہ دیں تو درست ہے لیکن ان سے مطالبہ کرنا مناسب نہیں، بے غیرتی ہے، محمودیہ (۱۵/۱۶۸)۔

(۷) وہ مسجد میں اپنے نام کا کتبہ وغیرہ نہ لگائیں۔

نظام الفتاوی (۱/۳۱۴) میں ایک سوال کے جواب میں ہے۔

اسی طرح اپنے نام کا کتبہ وغیرہ لگانے کی شرط لگاتا ہے تو اس صورت میں بھی لینا درست نہ ہوگا۔

(۸) بہتر یہ ہے کہ ان کی رقم اور مال مسجد کے بیت الخلاء یا غسل خانوں پر خرچ کیا جائے۔

فتاوی رحیمیہ (۱۵۷/۲) میں ایک سوال کے جواب میں ہے۔

الجواب: مسجد مدرسہ کی عمارت کو نقصان ہوا ہو تو امداد لینے کی گنجائش ہے جماعت خانہ یا نماز گاہ کے علاوہ بیت الخلاء یا غسل خانہ وغیرہ بنانے اور مرمت کرنے کیلئے امداد لی جائے۔

(۹) انفرادی طور پر کوئی کافر رقم دے یا اجتماعی نظم سے دیں لیکن ان کا مقصد تبلیغ اور لوگوں کو اپنے مذھب کی طرف مائل کرنا نہ ہو، اس کی رو سے عصر حاضر کی غیر مسلم این جی اوز سے مسجد کیلئے امداد لینا کسی صورت میں جائز نہیں۔

(۱۰) یہ احتمال بھی نہ ہو کہ شاید آئندہ وہ مسلمانوں سے اپنی عبادت گاہ کے لئے چندہ مانگیں۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اسلام کا نظام اراضی (ص ۱۶۵) میں فرماتے ہیں:

اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم مسجد کی تعمیر یا ضروریات میں چندہ دینا چاہے تو اس کے بھی جواز کی یہی صورت ہے کہ وہ اس مسجد کے منتظمین کو دیدے وہ اپنی طرف سے لگادیں تو اس کا چندہ مسجد میں لگانا جائز ہوگا مگر اس طرح بھی کسی غیر مسلم کا چندہ مسجد یا اسلامی مدرسہ میں قبول کرنا اس وقت مناسب ہوگا جب یہ اندیشہ نہ ہو کہ کسی وقت ہمیں ان کے مندر یا مذہبی چیزوں میں چندہ دینا پڑے گا نہ دینگے تو شرمندگی ہوگی، کیونکہ مسلمان کے لئے مندر اور بت خانہ کی تعمیر یا ضروریات میں چندہ دینا حرام ہے، اور غیر مسلم کا ایسا احسان لینا جس کے نتیجہ میں شرمندگی اٹھانی پڑے یہ بھی درست نہیں۔

مسلمان کا چرچ گرجا وغیرہ کے لئے چندہ دینا جائز نہیں ہے

فقہی مقالات (۲۶۶/۱) میں ہے:

سوال: کیا کسی مسلمان کے لئے یا کسی مسلم بورڈ کے لئے عیسائیوں کے تعلیمی

ادارے، مشینری ادارے یا چرچ میں چندہ دینا جائز ہے؟

جواب: کسی مسلمان کے لئے چاہے وہ کوئی فرد ہو یا جماعت، عیسائی اداروں یا چرچ میں چندہ دینا یا تعاون کرنا ہرگز جائز نہیں۔

فاسق و فاجر سے چندہ لینا

مسلمان اگر فاسق و فاجر ہے لیکن اس کا مال حلال اور طیّب ہے تو اس سے مسجد و مدرسہ کیلئے چندہ وصول کرنا جائز ہے۔

بھنگی کا مال مسجد میں صرف کرنا درست ہے

فتاویٰ رشیدیہ (ص:۴۰۸) میں ہے۔

سوال: بھنگی مسلمان کہ جس کا پیشہ پاخانہ اٹھانے اور اس کی بیع ہی ہوتی ہے اس کے یہاں کھانا اور اس کا مال تعمیر مساجد میں صرف کرنا منع ہے یا نہیں؟

جواب: پاخانہ اٹھانے کی اجرت مباح ہے، وہ مال بھی حلال ہے اگر کوئی فساد عقد میں نہ ہو، لہذا تعمیر مساجد میں صرف کرنا بھی درست ہے، اس کی اجرت صفائی مکان کی ہے پاخانہ کی قیمت نہیں جو شبہ کراہت کا ہو۔ انتہی

اگر بھنگی کافر ہو تو اس سے چندہ وصول کرنے میں وہی تفصیل ہوگی جو عام کافر کے بارے ابھی گذر چکی ہے۔

شیعہ اور کسی کافر کی بنائی ہوئی مسجد کا حکم

شیعہ اور کسی کافر نے مسجد تعمیر کی تو وہ شرعاً مسجد شمار ہوگی بشرطیکہ وہ مسجد تعمیر کرنے کو کار ثواب اور قربت تصور کرتا ہو (فتاویٰ رشیدیہ ص:۴۰۹)

مسجد کیلئے شیعہ سے چندہ لینا

اہل السنّت والجماعت اور فرقہ اثنا عشریہ کے عقائد میں بین فرق ہے، لہذا خالص دینی اور مذہبی معاملہ میں ان سے چندہ نہ لیا جائے، اگر وہ خود دینا چاہیں تو کسی سنی مسلمان کو ھبہ کردے اور وہ مسلمان اپنی طرف سے دیدے تو لے سکتے ہیں، اگر وہ شخص رقم دے چکا ہے تو اگر واپس کرنا نامناسب ہو تو بادل ناخواستہ بیت الخلاء پیشاب خانہ غسل خانہ میں استعمال کرلی جائے، یا پھر مسجد کا مکان بنانے میں استعمال کی جائے۔ فتاویٰ رحیمیہ (۸۹/۶)

قادیانی سے چندہ لینا جائز نہیں

احسن الفتاوی (۴۶۰/۶) میں ہے۔

سوال: تعمیر مسجد کیلئے قادیانی سے چندہ وصول کرنا کیسا ہے؟

الجواب باسم ملھم الصواب: قطعاً حرام ہے، قادیانی زندیق ہیں اسلئے ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معاملہ جائز نہیں۔

واضح رہے کہ عام کافروں اور قادیانیوں میں یہ فرق ہے کہ دوسرے کافر صرف کفر کے مرتکب ہیں لیکن قادیانی مرتکب کفر ہونے کے ساتھ ساتھ زندقہ اور تلبیس کے بھی مرتکب ہیں، اسلئے ان کے احکام میں فرق ہے۔

مسجد میں چندہ کے لئے پیٹی رکھنا

مسجد کے چندہ کے لئے آج کل پیٹی رکھنے کا رواج ہے، شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، مسجد میں بھی رکھ سکتے ہیں اور مسجد سے باہر بھی، کسی کی دکان وغیرہ پر بھی اس کی اجازت سے رکھ سکتے ہیں، لیکن پیٹی کا چندہ عمومی ہوتا ہے، اسے مسجد کے ہر مصالح پر لگایا جاتا ہے، اسلئے ایسی پیٹی پر جہاں ''چندہ برائے مسجد'' لکھا ہوتا ہے وہاں یہ بھی لکھ دینا

ضروری ہے کہ اس میں ''عطیات'' اور صدقات نافلہ ڈالیں، زکوۃ اور صدقات واجبہ نہ ڈالیں'' کیونکہ زکوۃ اور دوسرے صدقات واجبہ کا مصرف الگ ہے، ان کے احکام میں فرق ہے۔عوام الناس کو باریکی کا علم نہیں ہوتا، وہ فرق کرنے سے قاصر ہوتے ہیں، زکوۃ بھی اسی میں ڈال دیتے ہیں، اس کیلئے الگ پیٹی ہونا چاہئے۔

مال حرام سے بنائی گئی مسجد کا حکم

یہ مسئلہ تو پہلے آچکا ہے کہ مال حرام مسجد میں لگانا جائز نہیں، اب سوال یہ ہے کہ اگر کسی نے مسجد میں حرام مال لگا دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ یہاں دو مسائل قابل تحقیق ہیں (۱) مال حرام لگانے والے کو ثواب ملے گا؟ (۲) وہ شرعی مسجد کہلائیگی؟

ثواب کا حکم: مسجد پر حرام مال خرچ کرنے پر ثواب نہیں خواہ سب مال حرام ہو یا بعض، اگر بعض حلال اور بعض حرام ہے تو حلال کا ثواب ملے گا حرام کا نہیں بلکہ حرام مال اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر میں خرچ کرنا گنا ہے۔

فی صحیح المسلم (۳۲۶/۱) کتاب الزکوٰۃ، عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ایھا الناس ان اللہ طیب ولا یقبل الاطیبا (الحدیث)

فی جامع الترمذی (۳/۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال، لاتقبل صلوٰۃ بغیر طھور ولا الصدقۃ من غلول.

شرعی مسجد بننے کا حکم

مال حرام سے بنائی گئی مسجد مسجد شرعی ہوگی یا نہیں؟ اس میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہوگا؟ اس کا ادب واحترام واجب ہوگا؟ اس کا گرانا اور اسکی خرید وفروخت درست ہوگی؟ مسجد میں مال حرام لگانے کی مختلف صورتیں ہیں اور ان کے احکام بھی مختلف ہیں۔

پہلی صورت :غیر کی زمین میں مسجد بنانا: غیر کی زمین میں مسجد بنانے کی دوصورتیں ہیں:

(ا)مغصوبہ زمین پر مسجد بنانا :یعنی کسی عام آدمی سے زبردستی زمین چھینی اور اسپر مسجد بنادی، اس کا حکم یہ ہے کہ یہ شرعی مسجد نہیں ہے ۔اس میں نماز پڑھی جائے تو مسجد کا ثواب نہ ملے گا، اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ نماز کا ثواب حاصل کرنے کے تین درجے ہیں ۔

(ا) ایک شخص اپنے گھر میں انفرادی طور پر نماز پڑھتا ہے تو اس کو صرف نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا۔

(۲) شرعی مسجد میں انفرادی نماز پڑھتا ہے تو اس کو دوقسم کا ثواب ملے گا،(!) نماز مطلق کا (!!) مسجد میں نماز پڑھنے کا ۔

(۳) مسجد میں باجماعت نماز پڑھتا ہے تو اس کو تین قسم کا ثواب ملے گا۔ایک نماز مطلق کا ،دوسرا مسجد کا، تیسرا جماعت کا ،سرکاری یا مغصوبہ زمین میں بنائی گئی مسجد میں اگر انفرادی نماز پڑھی جائے تو صرف نماز کا ثواب ملے گا، مسجد کا ثواب نہ ملے گا، اور اگر باجماعت پڑھی جائے تو نماز اور جماعت کا ثواب ملے گا، مسجد کا ثواب نہ ملے گا۔

مسجد شرعی میں نماز کی فضیلت مختلف احادیث میں آتی ہے مثلاً ابن ماجہ (ص:۱۰۲) میں ہے۔

عن انس ابن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ صلوٰۃ الرجل فی بیتہ بصلوٰۃ وصلوتہ فی مسجد القبائل بخمس وعشرین صلوٰۃ.

ترجمہ :حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ مرد کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ایک ہی نماز ہے اور عوام کی مسجد میں پڑھنا پچیس نمازوں کے برابر ہے۔

اور یہ مسجد شرعی اسلئے نہیں کہ شرعی مسجد بننے کیلئے بنیادی شرط زمین کا وقف ہونا ہے اور اپنی مملوکہ زمین تو وقف ہوسکتی ہے ،غیر کی زمین وقف نہیں ہوسکتی ۔

فی قانون العدل والانصاف فی احکام الاوقاف (ص:۲۰)یشترط لجواز الوقف ان تکون العین المراد وقفها مملوکة ملکا باتا للواقف وقت الوقف فان لم تکن مملوکة للمتصرف فوقفها فضولیا عن جهة من الجهات بلا اذن مالکهاتوقف نفاذ الوقف علی اجازة المالک فان اجازه نفذ والا فلا .
بحواله (امداد المفتین ص:۷۹۸)

بلکہ ایسی مسجد میں نماز مکروہ تحریمی ہے کہ غیر کی مملوک کو اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا پڑتا ہے۔ہاں اگر کوئی مسافر ہے اسے اس کے مغصوب ہونے کا علم نہیں تو اس کی نماز درست ہے۔

فی الشامیة (ص: ۳۸۱ ج:۱) (قوله وارض مغصوبة او للغیر وتکره فی ارض الغیربنی مسجدا علی سور المدینةلا ینبغی ان یصلی فیه کالمبنی فی ارض مغصوبة فالصلوٰة فیها مکروهة تحریماً فی قول وغیر صحیحة له فی قول آخر .

اور اس کا حل یہ ہے کہ مالک سے اس کی اجازت لے لی جائے یا اس سے یہ جگہ خرید لی جائے، اس کے بعد وقف کردی جائے۔

گرانے کا حکم

اول تو مالک زمین کو اجازت دینے پر راضی کیا جائے ، اگر زمین کی قیمت لینا چاہے تو قیمت دے کر خریدی جائے ،اسی میں فائدہ ہے، مسجد گرانے میں نقصان ہے ۔ مالی نقصان تو ظاہر ہے، دینی نقصان یہ ہے کہ عرف میں لوگ اسے مسجد تصور کرتے ہیں، اس کے گرانے میں انتشار اور اختلاف ہوگا۔ نیز شرعی مساجد کا احترام و ادب ذہن سے نکل جائے گا۔لیکن اگر وہ کسی طرح اجازت دینے یا بیچنے پر راضی نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ مسجد کو گرا سکتا ہے کیونکہ وہ شرعی مسجد ہی نہیں بنی اور شریعت کی رو سے تمام مسلمانوں کو مسجد بنانے کا حکم ہے، خاص اس مالک پر مسجد بنانا ضروری نہیں ۔

(۲) سرکاری زمین پر مسجد بنانا:

اگر کسی نے سرکاری زمین پر سرکار کی اجازت کے بغیر مسجد بنادی تو اس کا کیا حکم ہے؟ یہ شرعی مسجد ہے یا نہیں؟ اس بارے کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ ایسی مسجد شرعی نہیں ہے۔ لہذا اس کے بھی وہی احکام ہیں جو ارض مغصوبہ میں بنائی گئی مسجد کے ہیں، البتہ حکومت اگر اجازت نہ دے اور مسجد کو گرانا چاہے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ آبادی کے تناسب سے مساجد کا انتظام کرنا حکومت کا فریضہ ہے، حکومت وقت نے اپنے فریضہ میں غفلت برتی تھی، اسلئے تو وہاں مسجد بنائی گئی ہے، اس بناء پر وہاں کے مسلمانو ں پر لازم ہوگا کہ اس کی بھرپور مزاحمت کریں اور حکومت کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ یہ جگہ مسجد کو دیدے۔

فقہاء کرام نے جہاں حکومت کے دیگر فرائض لکھے ہیں وہاں مسجد بنانے کا فریضہ بھی لکھا ہے اور اسے بیت المال کا باقاعدہ مصرف قرار دیا ہے۔

فی الدر (۲/ ۷۹۰) کتاب الزکوٰۃ، بیان بیت المال ومصارفها:

فمصرف الاولین اتی بنص.......... وثالثها حواہ مقاتلونا

واربعها فمصرفه جهات.......... تساوی النفع فیها المسلمونا

وفی الشامیة (قوله ورابعها فمصرفه جهات الخ) ....من انه یصرف الی المرضی والزمنی واللقیط وعمارة القناطر والرباطات والثغور والمساجد وما اشبه ذلک الخ.

قال الامام القرطبی فی احکام القرآن (۷/ ۱۱) مانصه : قال ابو حنیفة ویبدأ من الخمس باصلاح القناطر وبناء المسجد وارزاق القضاة والجند، وروی نحو ذلک عن الشافعی ایضا اہ.

لیکن افسوس کا مقام ہے اور حیرت کی بات ہے کہ حکومت شہروں کے شہر، کالونیاں، بستیاں اور ٹاؤنز آباد کررہی ہے اور ان میں دوسری ضروریات مثلاً ہسپتال سکول کالج، کھیل کے گراؤنڈ وغیرہ کا مکمل انتظام ہوتا ہے بلکہ تھیٹروں اور سینما گھروں

کا بندوبست ہوتا ہے اور ان کے لئے جگہیں مختص کی جاتی ہیں لیکن آبادی کے تناسب سے مساجد کا انتظام نہیں ہوتا، مسلمان خود ہی اس کا انتظام کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ چند چیزیں اور ہیں جن کے پیش نظر حکومت کے ایسے اقدامات کو روکا جاسکتا ہے۔

(۱) ایسی بہت سی مساجد وہ ہوتی ہیں جو کئی سالوں سے قائم ہوتی ہیں اور ان میں نمازیں پڑھی جاتی ہیں بلکہ حکومت کے اراکین وافراد بھی وہاں نمازیں پڑھتے ہیں، ان کی طرف سے ڈھیل ہوتی ہے، جس کی وجہ سے مساجد پر کافی خرچہ ہوجاتا ہے۔

فی البحر (۲۷۰/۵) بنی فی فنائه فی الرستاق دکانا لاجل الصلوٰة یصلون فیه بجماعة کل قت فله حکم المسجد.

وفیه ایضاً (۲۶۹/۵) اشار باطلاق قوله ویأ ذن للناس فی الصلوٰة انه لایشترط ان یقول اذنت فیه بالصلوٰة جماعة بل الاطلاق کاف.

(۲) سرکاری زمین پر جو مساجد بنائی جاتی ہیں، بعض کے بارے میں عموماً کاغذات متعلقہ محکمہ جات میں داخل کئے جاتے ہیں اور ان کی اجازت طلب کی جاتی ہے اور حکومت کی طرف سے جواب نہیں آتا، اس سکوت کو بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔

(۳) بعض مساجد ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے حکومت کے محکمہ رجسٹری میں منظورشدہ ٹرسٹ موجود ہوتے ہیں، یہ بھی ایک طرح کی اجازت ہے، ان قرائن کی موجودگی میں حکومتی کاروائی کی مخالفت کی جاسکتی ہے، تاہم اگر وہ مسجد کو گرادے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شرعی مسجد کو گرایا ہے اور اس کا گناہ ملے گا، ہاں یہ کہنا درست ہوگا کہ حکومت مساجد کا انتظام و انصرام والا فریضہ سرانجام نہ دینے کی وجہ سے کوتاہی کی مرتکب ہے۔

امداد المفتین (ص:۷۹۸) میں ہے۔

"جب تک حکومت اجازت نہ دے اس پر مسجد بنانا جائز نہیں، اور جو مساجد بلا حصول اجازت بنائی گئی ہیں ان کے مسجد شرعی بننے کی شرط اب بھی یہی ہے کہ حکومت سے اجازت حاصل کر لی جائے، اس سے پہلے وہ مسجد شرعی نہیں، اگرچہ نماز ان میں ہو جاتی ہے۔"

بعض حضرات کا موقف ہے کہ اگر کسی علاقے کے مسلمانوں کو مسجد کی شدید ضرورت ہے اور حکومت اس کی طرف توجہ نہیں دے رہی، اس بنا پر وہاں کے لوگوں نے سرکاری زمین پر مسجد بنا ڈالی اور اس پر حکومت خاموش رہی جس پر معتد بہ عرصہ بیت چکا تو وہ شرعی مسجد بن جاتی ہے، اس کا گرانا کسی صورت میں جائز نہیں رہتا۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ''اسلام کا نظام اراضی'' ص ۱۵۸ میں فرماتے ہیں:

اگر کسی متروکہ زمین پر مسلمانوں نے ضرورت سمجھ کر یا مسئلہ سے ناواقفیت کی بناء پر حکومت پاکستان سے باضابطہ اجازت لئے بغیر کوئی مسجد تعمیر کر دی اور دوران تعمیر میں اور بعد میں حکومت کے ذمہ داران دیکھتے رہے، منع نہیں کیا یہاں تک کہ اس میں باقاعدہ نماز باجماعت ہونے لگی تو ذمہ دار افسران کا سکوت بھی اس معاملہ میں اجازت سمجھا جائے گا، اور مسجد شرعی بن جائے گی، اس کے بعد اس کو منہدم کرنے کا حق کسی کو نہیں رہتا، کیونکہ مواقع ضرورت میں مسجد بنانا خود حکومت کے فرائض میں ہے اور یہ زمین اس کا مصرف ہے، اس لئے جب مسجد بنالی گئی اور جماعت ہونے لگی تو اب اس کو ہٹانے کا حق نہیں۔

ادب واحترام کا حکم

سرکاری (ایک قول کے مطابق) یا غیر کی زمین پر بنائی گئی مسجد اگر چہ شرعی نہیں لیکن اس پر نمازیں ادا کی جاتی ہیں اسلئے وہ ''مصلّٰی'' اور'' جائے نماز'' ضرور ہے اسلئے اس کا ادب و احترام لازم ہے، اس میں کوئی ایسا کام جائز نہیں جو مسجد کے ادب کے منافی ہے۔

ایک دلیل اور اس کا جواب: بعض حضرات نے انفراداً سرکاری زمینوں پر مساجد بنا رکھی ہیں اور ان کے خیال میں یہ جائز بلکہ جراتمندانہ اقدام ہے اور دلیل یہ ہے کہ مساجد بنانا حکومت کی ذمہ داری ہے لیکن وہ بناتی نہیں اسلئے ہم سرکاری زمین پر چوری

چھپکے یا زبردستی مسجد بنا سکتے ہیں، لیکن یہ دلیل مضحکہ خیز ہے، اگر کوئی شخص اپنے فرائض میں کوتاہی کرتا ہے جس میں کسی کا حق تلف نہیں ہوتا، مثلاً زکوٰۃ نہیں دیتا، صدقہ فطر ادا نہیں کرتا، حج نہیں کرتا وغیرہ تو دوسرا شخص اسے سمجھا سکتا ہے ترغیب دے سکتا ہے لیکن یہ نہیں کرسکتا کہ زکوٰۃ، صدقہ فطر یا حج کے بقدر روپے اس سے چھین لے، فقیر بھی اس سے چھین نہیں سکتا، اگر چہ وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے، کیونکہ اس زکوٰۃ کے مصرف اور بھی بہت سے لوگ ہیں، فقیر اس کا متعین مستحق نہیں، اسی طرح مسجد بنانا حکومت کی ذمہ داری ہے اور یہ اگر حق ہے تو تمام مسلمانوں کا مجموعی حق ہے اس کا کوئی معین مستحق نہیں ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں تو احیاء موات کیلئے بھی حکومت سے اجازت لینا ضروری ہے، اس کی مثال وہ قابل رشک دلیل ہے جو ایک محقق نے بیان فرمائی کہ حکومت کے بیت المال میں علماء مفتیان کا حصہ بھی ہے چونکہ وہ ہمیں نہیں ملتا، اسلئے ہمارے لئے حکومت کی بجلی گیس وغیرہ کی چوری درست ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

فی المحیط البرهانی (۲۲۶/۳)الفصل التاسع ، مسائل معطی الزکاۃ،اذاوجبت الزکاۃ علی رجل وھولایؤدیھالایحل للفقیران یاخذمن مالہ بغیرعلمہ وان اخذکان لصاحب المال ان یسترد اذاکان المال قائماًوان کان ھالکایضمنہ ،لان الحق لیس لھذاالفقیرلعینہ .

دوسری صورت: مسجد میں حرام مال لگانے کی دوسری صورت یہ ہے چوری کی لکڑی دروازے کی کھڑکیاں گارڈر وغیرہ لگا دیئے، یا چھت پر چوری کی چادریں لگادیں یا دیوار اور چھت چوری کے سیمنٹ ریت وغیرہ سے تیار کی جائے، زمین اور فرش حلال مال سے تیار کیا گیا ہو۔

حکم: مذکورہ طریقہ سے حرام مال مسجد میں لگانا جائز نہیں گناہ ہے۔ تاہم وہ شرعی مسجد ہے، کیونکہ زمین تو وقف ہے اور اس میں نماز پڑھتے وقت حرام کا براہ راست استعمال لازم نہیں آتا، اسلئے اس میں نماز درست ہے، اور اس کو حرام کے عنصر سے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ حرام کی جو چادریں دروازے وغیرہ لگائے ہیں ان کو ہٹا کر

حلال کی لگادی جائیں ۔اینٹ،سریہ، سیمنٹ وغیرہ دیواروں یا چھت پر استعمال ہوئے ہیں انہیں گرادیا جائے ، بلکہ ایسا کرنا ضروری ہے۔یا مالک سے خرید لیے جائیں ۔

فی الشامیة (١/٦٥٨) (قوله لو بماله الحلال ، قال تاج الشريعة اما لوانفق فی ذلک مالاخبیثا او مالا سببه الخبیث والطیب فیکره لان اللّٰه تعالیٰ لا یقبل الا الطیب فیکره تلویث بیته بما لا یقبله اه .

تیسری صورت : حرام مال فرش پر لگا دیا، اس کا حکم یہ ہے کہ چونکہ اس میں نماز پڑھتے وقت براہ راست حرام کا استعمال لازم آتا ہے ،اسلئے اس میں نماز مکروہ تحریمی ہے۔اس کا تدارک یوں ہوسکتا ہے کہ حرام سے تیار کردہ فرش اکھاڑ کر حلال اور طیّب مال سے فرش لگا دیا جائے یا اسے مالک سے خرید لیا جائے ۔

یہ تین صورتیں ایسی ہیں کہ جن میں حرام چیز کو مسجد میں استعمال کیا جاتا ہے ۔
اگلی صورتیں حرام روپیہ کے ذریعے چیز خرید کر مسجد میں شامل کرنے کی ہیں ۔

چوتھی صورت : کسی کے پاس حرام وحلال ہر قسم کا مال ہے اور وہ حلال رقم سے کچھ خرید کر مسجد کو دیتا ہے اور اس کی تصریح کرتا ہے تو اسے قبول کیا جائے گا اور مسجد میں لگایا جائے گا ،اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں ۔

پانچویں صورت : ایسا شخص اپنے مال سے خرید کر مسجد میں لگاتا ہے جس کی آمدنی حلال وحرام سے مخلوط ہے لیکن حلال کی کمائی غالب ہے تو اسے بھی قبول کیا جائے گا اور اسے مسجد میں لگانا درست ہوگا ۔

چھٹی صورت : ایسا شخص اپنے مال سے کچھ خرید کر مسجد میں لگاتا ہے کہ جس کا سارا مال حرام ہے یا حرام غالب ہے یا دونوں برابر ہیں ۔

حکم : اس کا حکم یہ ہے کہ مسجد میں رقم خود تو نہیں لگ سکتی، لازمی طور پر اس کے عوض کوئی چیز خرید کر مسجد میں لگائی جائے گی ، وہ خود خرید کر لگائے یا انتظامیہ، لہذا اس مال سے کوئی چیز خریدنے کی تین صورتیں ہیں ۔

(١) پہلے سامان ادھار خرید لیا اور منگوالیا پھر ایسے مال سے قیمت ادا کردی تو ایسی صورت میں وہ ادھار لیا گیا مال حرام نہیں،اسے مسجد میں لگایا جاسکتا ہے۔

(۲) معاملہ نقد ہی ہوا لیکن مال حرام دکھلا کر سامان نہیں خریدا بلکہ یہ کہا کہ ایک ہزار کی اتنی چیز دیدو اور ثمن مطلق رکھا پھر حرام مال سے ادائیگی کردی، اس صورت میں بھی سامان حرام نہیں، لہذا اسے مسجد میں لگایا جاسکتا ہے البتہ ان دونوں صورتوں میں ادائیگی حرام سے کی گئی ہے، اس کا گناہ ہوگا۔

(۳) معاملہ نقد ہوا اور مال حرام دکھلا کر سامان خریدا، یعنی اسی حرام مال کو بطور ثمن متعین کردیا تو اس صورت میں وہ سامان حرام ہے اور اسے مسجد میں لگانا جائز نہیں

قال الشامی عن التتار خانیة(۲۴۰/۴) رجل اکتسب مالا فی حرام ثم اشتریٰ فهذا علی خمسة اوجه ، اما ان دفع تلک الدراهم الی البائع او لا ثم اشتری منه بها او اشتری قبل الدفع بها ودفعها اواشتری قبل الدفع بها ودفع غیرها اواشتری مطلقاً ودفع تلک الدراهم ،قال ابو نصر: یطیب له ولا یجب علیه ان یتصدق الا فی الوجه الاول والیه ذهب الفقیه ابو اللیث لکن هنا خلاف ظاهر الروایة وقال الکرخی فی الوجه الاول والثانی لایطیب وفی الثالث والاخیرة یطیب وقال ابو بکر ، ولا یطیب فی الکل لکن الفتوی الأن علی قول الکرخی دفعاً للحرج عن الناس ، وفی الوالجیة ،وقال بعضهم:لا یطیب فی الکل وهو المختار لکن الفتوی الیوم علی قول الکرخی دفعاً للحرج لکثرة الحرام . امداد الاحکام (۲۴۴/۳)

ومثلہ فی امداد المفتین (ص۸۰۱)وفتاوی محمودیہ(۱۶۹/۶)

تاہم اگر کسی نے ایسا سامان مسجد میں لگادیا تو اس کی کئی صورتیں ہیں۔

صورتِ اولیٰ: زمین اور پلاٹ خریدا اور اس پر مسجد بنادی، اس کا حکم خود مال حرام لگانے کی پہلی صورت والا ہے، یہ مسجد غیر مقبول ہے، اس میں نماز پڑھتے وقت براہ راست حرام کا استعمال لازم آتا ہے، اسلئے نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور اس کے ضروری مسائل یہ ہیں۔

(۱) ادب واحترام: ادب و احترام میں اس کا حکم مسجد والا ہے، اس میں مسجد کے احترام کے منافی کوئی کام جائز نہیں۔فتاوی اکابرین میں اس کی دو بہترین مثالیں ملتی

ہیں۔

(۱) حضرت تھانوی رحمہ اللہ امداد الفتاوی (۶۵۳/۲) میں فرماتے ہیں۔

اور ایسی مسجد مذکور کی جو کہ حرام مال سے بنائی ہوئی ہے ایسی مثال ہے جیسے نعوذ باللہ کوئی شخص ناپاک سیاہی سے قرآن مجید لکھ دے، اس میں نہ تلاوت جائز ہے اور نہ اس کی بے ادبی جائز ہے بلکہ دفن کر دیا جائے۔

(۲) حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ احسن الفتاوی (۴۳۳/۶) میں فرماتے ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن مجید اوراق مغصوبہ پر لکھا گیا ہو تو اس کا پڑھنا جائز نہیں للزوم استعمال الحرام اور اس کی بے حرمتی بھی جائز نہیں، لانہ قرآن۔

اس بناء پر ایسی مسجد میں حائضہ عورت اور جنبی شخص کا داخلہ جائز نہیں اور اس میں بول وتغوط درست نہیں۔

(۲) مسجد شرعی ہے یا نہیں: اس میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے اسے مسجد شرعی کہا ہے کیونکہ بیع صحیح تھی، اس بناء پر مالک کی ملکیت آ گئی اور وقف درست ہو گیا اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ " خود مال حرام مسجد میں لگانے کی پہلی صورت کی طرح مسجد شرعی نہیں۔

مجموعۃ الفتاوی للکنوی" (۱۸۵/۱) میں ہے۔

سوال: زانیہ یا مغنّیہ نے اپنی ناجائز آمدنی سے مسجد بنائی، اس پر مسجد کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟۔

جواب: نہیں، مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے " اللّٰہ طیب لایقبل الا طیبا" اللہ پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔

وکذا فی خیر الفتاوی (۴۳۳/۲ ۷)، امداد الفتاوی (۶۷۲/۲) میں بھی اسے مسجد شرعی تسلیم نہیں کیا۔

سوال: (۷۸۲) رنڈی کی بنوائی ہوئی مسجد مسجد شرعی ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ مال حرام سے انتفاع جائز نہیں تو آلہ قربت تو بدرجہ اولیٰ نہ ہوگی

لہذا ایسی مسجد شرعاً مسجد نہیں وھذا ظاھر،

جبکہ (۶۵۳/۲) میں اسے مسجد شرعی قرار دیا ہے، فرماتے ہیں۔

دوسرا حکم اس کا مسجد نہ ہونا اس میں دلیل کی حاجت ہے صرف مولانا عبدالحیٰ رحمہ اللہ کا قول حجت نہیں، مسجد کے احکام میں مسجد کا ہونا مسئلہ فقہیہ ہے۔ سو کتب فقہ میں تحقق مسجدیت کے لئے مال کا حلال ہونا کہیں مذکور نہیں۔ جیسے کوئی شخص بہ نیت ریا وقف کرے تو گو وہ مقبول نہ ہو بلکہ خوف معصیت ہے لیکن وقف صحیح ہوجاتا ہے، اسی طرح یہ مسجد گو مقبول نہ ہو بلکہ خوف معصیت ہے لیکن احکام میں مسجد ہوجاوے گی، مثلاً اسکی بیع جائز نہیں، اس میں حائض وجنب کا داخل ہونا جائز نہیں۔ اس میں بول وتغوط درست نہیں۔

احسن الفتاوی (۴۳۲/۶) میں ہے۔

یہ مسجد اگرچہ غیر مقبول ہے لحدیث ان اللّٰہ طیب لایقبل الا طیباً، مگر اس کے باوجود اس کی مسجدیت میں کوئی شبہ نہیں، لہذا اس کی بے حرمتی جائز نہیں، مسجد کیلئے صرف یہ شرط ہے کہ موقوف للصلوٰۃ ہو اور صحت وقف کیلئے فارغ عن ملک الغیر ہونا شرط ہے، یہ شرائط ایسی مسجد میں موجود ہیں۔ ومثلہ فی امداد الاحکام (۴۴/۱)

پہلے موقف پر ایسی مسجد کا حل: یہ چونکہ مسجد شرعی نہیں ہے، اس کی خرید وفروخت درست ہے، اس کے مطابق کوئی شخص یہ مسجد خرید کر باقاعدہ وقف کردے تو وہ شرعی مسجد بن جائے گی۔

مجموعۃ الفتاوی (۱۸۶/۱) میں ہے۔

"لہذا چاہئے کہ وارث بیچے اور مشتری اپنے حلال مال سے بعقد صحیح خرید کر کے وقف کردے تاکہ مسجد مقبول ہوجائے"۔ وکذا فی خیرالفتاوی (۷۴۳/۲)

دوسرے موقف پر اس کا حل: جن حضرات نے اسے مسجد شرعی قرار دیا ہے ان کے قول پر اس میں نماز مکروہ تحریمی ہے اور اس کا حل بھی موجود نہیں ہے۔

احسن الفتاوی (۴۳۲/۶) میں ہے۔

"اگر حرام مال سے زمین خرید کر اس پر مسجد بنائی گئی تو اس میں بھی استعمال حرام کی وجہ سے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کا تدارک بھی ممکن نہیں۔ مگر چونکہ اس

کا وقف صحیح ہو چکا ہے اس لئے بیع اول کا استرداد کر کے دوبارہ مال طیب سے اشتراء نہیں کیا جاسکتا، اسلئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ ایسی مسجد کا دروازہ بند کر کے اسی حالت پر چھوڑ دی جائے اور اس میں نماز نہ پڑھی جائے۔

امداد الاحکام (۴۴۱/۱) میں ہے۔

پس بہتر یہ ہے کہ ایسی مسجد کا دروازہ اینٹوں سے بند کر کے صورت مسجد پر چھوڑ دیا جائے اور اس میں نماز نہ پڑھی جائے۔

صورت ثانیہ: حرام رقم کو بطور ثمن متعین کر کے سامان خریدا تو اسے مسجد میں لگانے کی دوسری صورت یہ ہے کہ سامان چھت یا دیواروں پر لگادیا، اس کا حکم بعینہ وہی ہے جو خود مال حرام چھت یا دیوار پر لگانے کا ہے یعنی نماز تو درست ہوگی کیونکہ حرام کا براہ راست استعمال لازم نہیں آتا لیکن حرام چیز مسجد میں لگانے کا گناہ ہوگا۔فرق صرف اتنا ہوگا کہ وہاں سامان مالک سے خریدا جاسکتا ہے اور یہاں حل کی ایک ہی صورت ہے کہ اسے اکھیڑ دیا جائے۔

صورت ثالثہ: ایسے سامان کو مسجد کے فرش میں لگا دیا جائے اس کا حکم بھی بعینہ وہی ہے جو خود مال حرام فرش پر لگانے کا ہے یعنی اس میں نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور وہاں اس کے دو حل آئے ہیں (۱) سامان کو اکھیڑ دینا۔(۲) مالک سے خرید لینا، یہاں صرف اکھیڑا جاسکتا ہے، مالک سے خریدنے کی کوئی صورت نہیں۔

مال حرام سے مسجد کا غسل خانہ اور لیٹرین بنانا بھی جائز نہیں

فتاوی رشیدیہ (ص:۴۱۰) میں ہے۔

سوال: جن لوگوں کے پاس روپیہ حرام سے اکٹھا ہوتا ہے اگر ان کے روپیہ سے غسل خانہ یا پاخانہ مسجد کے متعلق بنا دیا جائے جائز ہے، نیز مسجد میں روشنی وغیرہ ان کے روپیہ سے کرنا۔

جواب: سب ناجائز ہے اور استعمال اس کا نادرست ہے۔

مسجد کی آمدنی دوسری مسجد پر لگانا

ایک مسجد کی آمدنی یا چندہ دوسری مسجد پر لگانے کی دوصورتیں ہیں۔

(ا) پہلی مسجد بالکل ویران ہورہی ہے وہاں آبادی ختم ہوچکی ہے، ایسی صورت میں اس کی رقم دوسری مسجد میں لگانا جائز ہے، بشرطیکہ پہلی مسجد کے دوبارہ تعمیر اور آباد ہونے کی کوئی صورت نہ ہو۔

فی الهندية (۴۷۸/۲) کتاب الوقف ، الباب الثالث ، فی فتاو ی النسفی :سئل شیخ الاسلام عن اهل قرية افترقوا وتداعی مسجدا لقرية الی الخراب وبعض المتغلبةيستولون علی خشب المسجد وينقلونه الی ديارهم هل لواحد من اهل القرية ان يبيع بامر القاضی ويمسک الثمن ليصرفه الی بعض المساجد او الی هذا المسجد قال نعم كذا فی المحيط .

اور اگر اس کے دوبارہ تعمیر ہونے کا امکان ہوتو وہ رقم کسی کے پاس امانت رکھنا ضروری ہے یا کسی مسجد کو قرض دے سکتے ہیں ،مفت میں دوسری مسجد میں لگانا جائز نہیں۔

(۲) پہلی مسجد آباد ہے ،اس بارے اصول تو یہی ہے کہ ایک مسجد کیلئے دیا گیا چندہ یا آمدنی اسی مسجد میں لگانا ضروری ہے ،دوسری مسجد میں لگانا صحیح نہیں۔

فی البحر (۲۱۵/۵) وفی الخانية لوجعل حجرته لدهن سراج المسجد ولم يزد صارت وقفاعلی المسجد اذا سلمها الی المتولی وعليه الفتوی وليس للمتولی ان يصرف الغلةالی غير الدهن اه فعلی هذا الموقوف علی امام المسجد لا يصرف لغيره وكذا فی الخانية (۲۹۱/۳)

اور اگر مسجد کی آمدنی یا چندہ بہت زیادہ ہے تو مسجد کے مصالح پر خرچ کیا جائے، اگر مصالح کم ہیں تو ان میں اضافہ کیا جائے، مثلاً امام مؤذن کا گھر بنایا جائے یا انہی حضرات کے وظائف میں اضافہ کیا جائے، مدرسہ اور دینی مکتب بنایا جائے ، اگر رقم اس سے بھی زیادہ ہو تو دوسرے وقف میں لگانے کی دوصورتیں ہیں

(۱) مسجد کے علاوہ کسی وقف پر لگائی جائے مثلاً مدرسہ، سرائے وغیرہ پر، یہ صحیح نہیں ہے۔

(۲) دوسری مسجد پر لگائی جائے تو یہ درست ہے بشرطیکہ آئندہ اس مسجد میں بظاہر ضرورت نہ ہو۔ اگر اس میں ضرورت کا امکان ہو تو قرض دے سکتے ہیں۔

مسجد کی دوکان بنک کو کرایہ پر دینا جائز نہیں

اپنا ذاتی مکان یا دکان بنک کو کرایہ پر دینا جائز نہیں خلافالما فی الفتاوی الخلیلیة (۱/۲۵۲) وھو مرجوح۔ مسجد کی دکان بطریق اولیٰ دینا جائز نہیں۔

فتاوی رحیمیہ (۱۸/۶) میں ہے۔

سوال)(۱۶۹۴): مسجد کا مکان بنک کو کرایہ پر دینا کیسا ہے؟

الجواب: بنک کو مکان کرایہ پر دینا تعاون علی الاثم کے مترادف ہے اور قرآن کریم میں تعاون علی الاثم کی ممانعت آئی ہے۔ الخ

خیر الفتاوی (۷۸۴/۲) میں ایک سوال کے جواب میں ہے۔

صاحبین کے نزدیک مسلمان کا کافر کو بیع خمر کیلئے دوکان کرایہ پر دینا جائز نہیں (کما فی الھندیة ، کتاب الاجارة) حالانکہ بیع خمر کافر کیلئے ایک جائز فعل ہے تو ایک مسلم کا دوسرے مسلمان کو سودی کاروبار کیلئے دوکان کرایہ پر دینا کیسے جائز ہوگا؟ جب کہ سودی کاروبار دونوں کیلئے ناجائز و حرام ہے، بلکہ ذمیوں کو بھی ایسے کاروبار کی شرعاً اجازت نہیں۔

لقوله علیه السلام الا من اربی فلیس بیننا وبینه عھد ، ھدایه (۳۱۸/۲) نیز اس زمانے میں جب کہ عوام کے ایمان میں ضعف آچکا ہے اور بدعملی ہورہی ہے، ایسے سودی اداروں کا فناء مسجد میں آجانا ان کے دل سے اس لعنتی کاروبار کی نفرت ختم کردینے کا باعث ہوگا۔ بناء بریں مسجد کی دوکان وغیرہ بنک کو کرایہ پر دینی

درست نہیں ۔

مسجد کی دوکان کسی سودی کاروبار کیلئے کرایہ پر دینا جائز نہیں

فتاوی محمودیہ (۲۲۱/۱۵) میں ہے ۔

سوال: مسجد کی ملکیت میں ایک مکان ہے جس کو ایک صاحب کرایہ پر لینا چاہتے ہیں کرایہ معقول ملے گا مگر ان کا کاروبار خالص سود کے لین دین کا ہے، ان کو کرایہ پر مکان دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب : اگر وہ صاحب سودی کاروبار ہی کے لئے کہہ کر لیتے ہیں تو مسجد کا مکان ان کو کرایہ پر نہ دیا جائے ۔

ایام رخصت کی تنخواہ کا حکم

امام مسجد کو لازمی طور پر چھٹی بھی کرنا پڑتی ہے کیا اس دوران وہ تنخواہ کا مستحق ہوگا ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چھٹی کی تنخواہ کا بھی مستحق ہے، وہ اجیر خاص ہے ۔ وہ کون ملازم اور اجیر ہے جو چھٹی نہ کرتا ہو، البتہ وہ مہینہ یا سال میں کتنی چھٹیاں کرسکتا ہے کتنی چھٹیوں تک اسے تنخواہ دی جائیگی اور کتنے تک نہیں ؟ اس بارے انتظامیہ مسجد اور امام کو، تقرر کے وقت ہی کوئی اصول وضوابط طے کرلینا چاہیے ۔اس اصول کے مطابق اتنی محدود چھٹیوں کی تنخواہ امام کا حق ہوگا، اور اگر وہ اس سے زیادہ چھٹی کرے تو اس کا حق نہ رہے گا، اور اگر امام اور انتظامیہ مسجد نے کوئی اصول یا معاہدہ طے نہیں کیا تو وہاں کے عرف اور قرب وجوار کی مساجد کو دیکھا جائے گا، وہاں کے عرف میں جتنے دنوں کی رخصت میں تنخواہ دینے کا دستور ہو امام کو اتنے دنوں کی رخصت کی تنخواہ بھی دینی ہوگی ۔اس سے زیادہ دینا ضروری نہیں بلکہ انتظامیہ کی صوابدید پر موقوف ہے اگر چاہے تو دے سکتی ہے ۔

نظام الفتاوی (۳۰۲/۱) میں ایک سوال کے جواب میں ہے ۔

اگر شروع ملازمت میں امام نے یہ طے کررکھا ہے کہ ایام رخصت کی تنخواہ بھی لونگا یا کمیٹی مسجد نے طے کرر کھا ہے تو بلا تکلف و بلا شبہ ایام رخصت کی تنخواہ لینا جائز ہوگا اور اگر یہ سب باتیں نہ ہوں تو عرف عام میں جتنے دن کی رخصت میں تنخواہ دینے کا دستور ہو تو صرف اتنے ایام کی تنخواہ دینا درست رہے گا، اور اس سے زیادہ اراکین مسجد کی صواب دید پر موقوف رہے گا۔

طویل بیماری میں مبتلا امام مسجد کو تنخواہ دینے کا حکم

اس زمانے میں مسجد وامامت کا جو مربوط نظام چل پڑا ہے اس کے پیش نظر اس مسئلے کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ بسا اوقات امام مسجد وغیرہ طویل بیماری میں مبتلا ہوجاتا ہے ۔دوسری طرف اس کی طویل خدمات بھی ہوتی ہیں ،ایسی صورت میں وہ تنخواہ اور مسجد کی دوسری مراعات حاصل کر سکے گا ؟اس کا حکم یہ ہے کہ

(۱) اگر اس بارے مسجد کی انتظامیہ نے کوئی اصول وضوابط طے کئے ہوں تو ان پر عمل ضروری ہے ۔ مثلاً طے کیا ہے کہ چار ماہ یا چھ ماہ تک تنخواہ دی جائیگی زیادہ نہیں تو اس کے مطابق عمل ضروری ہے ،البتہ ایسا ضابطہ طے کرنا کہ زندگی بھر اسے سہولیات دی جائیں گی ، درست نہیں ہے۔

(۲) اگر اصول وضوابط طے نہ ہوں تو وہاں کے قرب و جوار کی مساجد کے عرف و رواج کے مطابق عمل کیا جائے ۔

(۳) اگر مرض زیادہ طویل ہوجائے اور وہ امامت نہ کراسکے تو ایسی صورت میں وہ مسجد کی سہولیات وتنخواہ نہیں لے سکے گا ، نہ قانوناً اور نہ شرعاً ، البتہ اگر اہل محلہ یا انتظامیہ وفاداری کا ثبوت دے اور مسجد کے چندہ اور فنڈ کے علاوہ اس کیلئے علیحدہ چندہ کرے اور فنڈ تیار کر کے اس کی خدمت کرے تو اچھی بات ہے۔

وفي الشامية (۴/۴۱۹) : (تنبيه) ذكر الخصاف انه لو اصاب القيم خرس او عمى او جنون......قال الطرطوسي : ومقتضاه ان المدرس ونحوه اذا

اصابه عذر فی مرض او فالج بحیث لا یمکنه المباشرة لا یستحق المعلوم لانه اراد الحکم فی المعلوم علی نفس المباشرة فان وجدت استحق المعلوم والا فلا وهذا هو الفقه اه ملخصا والتفصیل فی امداد الفتاوی (۳۴۷/۲).

مسجد کی بجلی اپنے گھر میں استعمال کرنا اور بجلی کا پورا بل ادا کرنا

ایک شخص مسجد کے قریب رہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ مسجد کے میٹر سے میں اپنے گھر بجلی استعمال کروں گا اور بجلی کا سارا بل میں دونگا کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

وسیم خان چکلالہ، راولپنڈی۔

الجواب حامداً ومصلیاً

صورت مسئولہ میں مسجد کے میٹر سے اس شخص کو اس شرط پر بجلی دینا کہ وہ پورا بل ادا کرے گا، چند شرائط کے ساتھ درست ہے۔

(۱) اس میں مسجد کا مفاد پیش نظر ہو۔ اس شخص کا مفاد پیش نظر نہ ہو۔

(۲) مسجد کی انتظامیہ اس پر راضی ہو۔

(۳) حکومت اور واپڈا کے کسی انتظامی قانون کی خلاف ورزی لازم نہ آتی ہو۔

(۴) مسجد کا بل ادا کرنا اس کا فریضہ ہوگا، وہ اسے احسان شمار نہ کرتا ہو۔

اور اگر ان شرائط کی رعایت نہ کرتا ہو تو اس کو مسجد سے بجلی دینا جائز نہیں۔

فی الهندیة (۴۶۲/۲) متولی المسجد لیس له ان یحمل سراج المسجد الیٰ بیته وله ان یحمله من البیت الی المسجد کذا فی فتاوی قاضی خان. فقط واللہ اعلم

ریاض محمد

دارالافتاء تعلیم القرآن راولپنڈی

(۱۴۲۶/۸/۲۹ھ)

مسجد کے میٹر سے اپنے گھر بجلی استعمال کرنا اور اتنا ہی بل دینا

مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مسجد سے کنکشن لیتا ہے اور صرف اتنا بل ادا کرتا ہے جتنی بجلی استعمال کی ہے تو یہ صورت جائز نہیں ۔اس کی وجوہ یہ ہیں۔

(۱) اس صورت میں مسجد کا میٹر بلا معاوضہ استعمال کرنا پڑتا ہے اور یہ جائز نہیں ۔اگر وہ پورا بل ادا کرتا ہے تو اپنے بل سے جو زائد رقم ہوگی اسے میٹر استعمال کرنے کا معاوضہ کہا جاسکتا ہے، کما فی الفتوی المذکورۃ۔

(۲) بجلی مشترکہ استعمال ہوگی، اس نے کتنی استعمال کی اور مسجد میں کتنی استعمال ہوئی یہ معلوم کرنا مشکل ہے، جبکہ یہاں یقین اور تحقیق ضروری ہے اندازہ اور اٹکل کافی نہیں ۔

(۳) اسے دیکھ کر دوسرے افراد بھی مسجد سے بجلی لینے کا مطالبہ کرسکتے ہیں ۔

فی الشامیة (۳۵۸/۴)ونقل فی البحر قبله :ولا یوضع الجذع علی جدارالمسجد وان کان من اوقافه اه قلت ، وبه علم حکم ما یصنعه بعض جیران المسجد من وضع جذوع علی جداره فانه لا یحل ولو دفع الا جرۃ.

چوری کی بجلی مسجد میں استعمال کرنا گناہ ہے

سوال : ہمارے محلہ کی ایک مسجد میں حکومت سے منظور شدہ میٹر لگا ہوا ہے لیکن انتظامیہ والے میٹر کے مین سوئچ کو بند کردیتے ہیں اور غیرقانونی طور پر بجلی کی مین تار سے کنڈا لگا کر مسجد میں بجلی استعمال کرتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟ ہم لوگ وہاں مجبوراً نماز پڑھتے ہیں، کیا ہماری نماز ہوجائیگی ؟ ایک سائل گوجر خان

الجواب حامداً ومصلیاً

بجلی چوری کرنا سخت گناہ اور حرام ہے پھر مسجد کیلئے چوری کرنا اور زیادہ برا،قبیح

اور شنیع ہے، اس سے احتراز ضروری ہے، انتظامیہ پر لازم ہے کہ اس سے احتراز کرے اور میٹر چلائے اور اب تک جتنی بجلی چوری کی ہے اندازہ کرکے اتنا بل حکومت کے اسی محکمہ میں جمع کرنا ضروری ہے، البتہ جو لوگ وہاں نمازیں پڑھتے ہیں، ان کی نماز ہوجاتی ہے، خاص طور پر وہ لوگ جو مسجد میں مداخلت نہیں کرسکتے اور وہ اس فعل کو دل سے برا محسوس کرتے ہیں۔

فی المشکوٰۃ (۲۵۵/۱) عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمہ قال قال رسول اللہ ﷺ الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرأالا بطیب نفس منہ رواہ البیھقی فی شعب الایمان والدار قطنی فی المجتبیٰ. فقط واللہ اعلم

ریاض محمد

دارالافتاء تعلیم القرآن راولپنڈی

(۱۱/۶/۱۴۲۵ھ)

الباب الثالث فی الرسوم والبدعات

(بدعات ورسوم کا بیان)

مساجد میں چٹائی وغیرہ کی ٹوپیاں رکھنے کا رواج

آجکل مساجد میں عموماً چٹائی، پلاسٹک وغیرہ کی ٹوپیاں رکھی جاتی ہیں، برہنہ سر نمازی نماز کے وقت انہیں سر پر رکھتے اور نماز پڑھتے ہیں، یہ نہ ضرورت ہے اور نہ مسجد کے مصالح میں داخل ہے، اسلئے مسجد کی رقم سے خریدنا صحیح نہیں، اگر کوئی شخص اپنی ذاتی رقم سے خرید کر مسجد میں رکھنا چاہے تو بھی صحیح نہیں، اس میں کئی خرابیاں ہیں۔

(۱) ننگے سر گھومنا پھرنا اسلامی تہذیب کے خلاف ہے، مساجد میں یوں ٹوپیاں رکھنے سے اس غیر اسلامی تہذیب کو تقویت ملتی ہے۔

(۲) اسطرح ٹوپیاں رکھنا مسجد کے ادب و احترام کے خلاف ہے۔

(۳) اس سے مسجد کی صفائی متاثر ہوتی ہے۔

(۴) ان کے تنکے نکل کر مسجد میں بکھرتے ہیں۔

(۵) ان پر میل کچیل کی تہہ نظر آتی ہے، نہ انہیں دھویا جاتا ہے اور نہ کوئی اور انتظام ہوتا ہے۔

(۶) ان سے پسینہ کی بو آتی ہے، بسا اوقات آدمی پسینہ کی حالت میں مسجد آتا ہے اور انہیں استعمال کر لیتا ہے۔

(۷) یہ ٹوپیاں ادنیٰ اور گھٹیا قسم کی ہوتی ہیں، ان کو پہن کر آدمی کسی بڑے شخص، کسی افسر، بیاہ شادی کی مجلس میں نہیں جاتا اور فقہاء نے اصول لکھا ہے کہ ہر وہ ادنیٰ قسم

کا لباس کہ جسے آدمی پہن کر کسی بڑے کے سامنے نہیں جاتا، اس میں عار محسوس کرتا ہے تو اس کو پہن کر اللہ کے سامنے کھڑا ہونا اور نماز پڑھنا بھی مکروہ تنزیہی ہے اور اس پر ہیشگی اور دوام مکروہ تحریمی تک پہنچتا ہے۔

(۸) کوئی شخص بھی ایسی ٹوپیوں کو اپنے گھر کی زینت بنانے کیلئے تیار نہیں پھر اللہ کے گھر میں ان کا رکھنا کیسے گوارا ہوگیا؟۔

(۹) طبی تحقیق کے مطابق چونکہ ان ٹوپیوں کا استعمال ہر کس ناکس کرتا ہے، اسلئے ان سے بیماریوں کے پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

(۱۰) اب ان کا رواج بڑھ گیا، عرف میں انہیں اچھا بھی تصور نہیں کیا جاتا۔

(۱۱) ٹوپی جب اسلامی لباس کا حصہ ہے تو جیسے لباس کے دوسرے حصے مثلاً قمیص، بنیان، رومال وغیرہ ہر شخص اپنا اور ذاتی ہی استعمال کرتا ہے، مسجد سے ادھار نہیں لیتا اور نہ مسجد میں ان کا انتظام ہوتا ہے، تو ٹوپی کو بھی لباس کا حصہ سمجھ کر ہر شخص کو چاہئے کہ خود اس کا انتظام کرے، مسجد کی ٹوپیاں استعمال نہ کرے۔ مساجد میں ٹوپیاں رکھنے سے گویا اس نظریہ کو تقویت پہنچ رہی ہے کہ ٹوپی اسلامی لباس کا حصہ نہیں ہے۔

اسلئے مساجد میں ایسی ٹوپیاں رکھنا جائز نہیں ہے، ہر شخص کو ویسے ہی سر ڈھانپنا چاہئے یا کم از کم نماز کے وقت گھر سے اہتمام کے ساتھ سر ڈھانپنے کیلئے کپڑا لے کر چلے خیر الفتاوی (۲/۳۸۷) بزیادۃ کثیرۃ۔

لاؤڈ سپیکر سے مسجد میں اذان دینا جائز ہے؟

اصولی طور پر مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے، عہد نبوی میں مسجد کی چھت پر اذان دی جاتی تھی۔

فی الشامیة (۱/۳۸۷) وقال ابن سعد بالسند الی ام زید بن ثابت کان بیتی اطول بیت حول المسجد، فکان بلال یؤذن فوقه من اول ماأذن الی ان بنی رسول اللہ ﷺ مسجده فکان یؤذن بعد علی ظهر المسجد، وقد رفع

له شئی فوق ظهره.

حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں اذان کیلئے باقاعدہ منارہ اور الگ جگہ بنائی گئی تھی (الشامیۃ ۱/۳۸۷) لیکن اذان خود کوئی ایسا کام نہیں جو مسجد کے ادب و احترام کے منافی ہو، اس وجہ سے مسجد میں مکروہ ہو، اس کے مسجد میں مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مسجد کے اندر اذان سے مقصود حاصل نہیں ہوتا، اذان کا مقصد لوگوں کو اطلاع دینا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ موجودہ زمانہ میں مساجد کے اندر سے لاؤڈ سپیکر پر جو اذان دی جاتی ہے شرعاً درست ہے، کیونکہ اس سے مقصد حاصل ہوجاتا ہے، البتہ اس کا انتظام مسجد کے کسی ایک کمرے میں ہوتو بہتر ہے۔

فتاوی محمودیہ (۱۵/۲۳۲) میں ہے۔

سوال نمبر ۲۷۹: ایک مقامی مسجد میں اذان کیلئے آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ سپیکر) مسجد کے اندر صف اول داہنی جانب الماری میں نصب کردیا گیا ہے اور اس کے متعلقہ برقی تار پن وغیرہ دیوار میں مستقل طور پر لگادی گئی ہیں اور یہ محض اس کی حفاظت کے پیش نظر مسجد کے اندر رکھا گیا ہے، دوسری جگہ مسجد کے باہر کے حصے میں رکھتے ہیں، چوری ہونے کا اندیشہ ہے۔ اسلئے موجودہ صورت میں اذان مسجد کے اندر پہلی صف کی جگہ پر کھڑے ہوکر پڑھنی پڑتی ہے، اس پر بعض لوگوں کا اعتراض ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے، براہ کرم تحریر فرمائیں کہ موجودہ حالت کے پیش نظر بصورت مذکورہ مسجد کے اندر اذان پڑھنا ازروئے فقہ حنفی کیسا ہے؟

الجواب: مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں سے آواز دور تک نہیں پہونچتی جس سے اذان کا مقصد پوری طرح حاصل نہیں ہوتا، اسلئے بلند جگہ پر اذان دینا مستحب ہے تاکہ دور تک آواز پہونچے، فی نفسہ اذان کوئی ایسی چیز نہیں جو کہ احترام مسجد کے خلاف ہو۔ صورت مسئولہ میں اذان کی آواز مکبر الصوت سے دور تک پہونچے گی اور مقصد پوری طرح حاصل ہوگا.... مسجد کے علاوہ حجرہ وغیرہ ہو اس میں رکھا جائے۔ فقط

اذان اور نماز مغرب کے درمیان مروّجہ وقفہ رکھنے کا طریقہ قابل ترک ہے

اس زمانے میں شہر کی مساجد میں اذان اور نماز مغرب کے درمیان دو یا تین منٹ کا وقفہ چھوڑا جاتا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ کثرت سے باجماعت نماز پڑھ سکیں، یہ وقفہ شرعاً فی نفسہ جائز ہے، اور یہ مقصد بھی نیک اور قابل قدر ہے۔

لیکن حالات و واقعات اور تجربات شاہد ہیں کہ مذکورہ وقفہ سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس میں کئی خرابیاں موجود ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) وقفہ چھوڑنے کا مقصد تکثیر جماعت تھا لیکن یہ مقصد اسلئے حاصل نہیں ہوتا کہ جب لوگوں کو معلوم ہوجاتا ہے کہ اذان اور جماعت کے درمیان اتنا وقفہ ہے تو وہ اتنی ہی دیر سے مسجد آتے ہیں۔

(۲) جو لوگ عموماً پہلے آجاتے تھے وہ بھی اس وقفہ کی وجہ سے دیر سے آتے ہیں، جبکہ تمام نمازوں میں مغرب کی نماز ایسی ہے کہ لوگ اس میں بر وقت آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وقفہ کے رواج نے یہ اہتمام دل سے نکال دیا ہے۔

(۳) یہ وقفہ اگرچہ جائز ہے لیکن مستحب یہی ہے کہ اذان و جماعت کے درمیان اتنا زیادہ وقفہ نہ ہو، مغرب کی نماز میں تعجیل بالاتفاق مستحب ہے۔

فی الدر (۱/۳۶۹) وتعجیل مغرب مطلقاوتاخیرہ قدر رکعتین یکرہ تنزیھا، وفی الشامیۃ (قولہ یکرہ تنزیھا) افاد ان المراد بالتعجیل ان لا یفصل بین الاذان والاقامۃ بغیر جلسۃ او سکتۃ علی الخلاف الخ

(۴) یہی نہیں کہ وقفہ خلاف مستحب ہے، بلکہ فقہاء کرامؒ نے ترک مستحب پر دوام اختیار کرنے پر مکروہ تنزیہی کا اطلاق کیا ہے،

چنانچہ رد المحتار (۳۷۰/۳) میں ہے۔

الہ الی ماقبل ذلک مکروہ تنزیھالترک المستحب وھوالتعجیل۔

وکذافی امدادالفتاوی(۱/۱۰۴)

(۵) لوگ اس وقفہ کو ضروری سمجھنے لگے ہیں چنانچہ جن مساجد میں وقفہ نہیں چھوڑا جاتا وہاں اس کا باقاعدہ مطالبہ ہوتا ہے۔

(۶) سلف صالحین سے اس طرح کا وقفہ کرنا ثابت نہیں ہے، حالانکہ تکثیر جماعت کا مقصد اس وقت بھی موجود تھا۔

(۷) اگر دو یا تین منٹ کا وقفہ درست قرار دیدیا جائے اور اس پر تسلسل سے عمل شروع ہوجائے تو آئندہ ہوسکتا ہے کہ یہ وقفہ بڑھادیا جائے اور اس کے بڑھانے کے باقاعدہ مطالبے شروع ہوجائیں۔

(۸) واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ کسی مصروفیت کی وجہ سے نماز مغرب کے لئے بروقت نہیں پہنچ سکتے دو یا تین منٹ کا وقفہ بھی کوئی اتنا زیادہ وقت نہیں کہ وہ اس میں اپنی ضروریات پوری کرسکیں، لہذا اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

(۹) غیر مقلدین اس وقفہ سے فائدہ اٹھا کر نوافل شروع کردیتے ہیں اور اس سے اپنے نظریہ کی پرچار کرتے ہیں، منع کرنے پر بحث ومباحثہ شروع کردیتے ہیں اور اس طرح انہیں اپنا نظریہ پھیلانے کا موقعہ ملتا ہے، ان کے ہماری مساجد میں آکر نماز پڑھنے کا مقصد بھی اپنے مذہب اور نظریہ کا پرچار کرنا ہے،

رمضان میں نماز فجر جلدی اور نماز مغرب تاخیر سے ادا کرنے کا رواج

رمضان میں نماز فجر جلدی ادا کرنا جائز بلکہ بہتر ہے۔ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ نماز فجر تاخیر سے روشنی میں پڑھی جائے لیکن اس کا مقصد تکثیر جماعت ہے یعنی تاکہ لوگ زیادہ شریک ہوسکیں، رمضان کے مہینے میں لوگ سحری کیلئے اٹھتے ہیں، جلدی ادا کرنے میں لوگ زیادہ شریک ہوں گے۔ اگر تاخیر جائے تو بعض لوگ سو جائیں گے اور بعض انفرادی نماز پڑھیں گے لہذا صبح صادق کے بعد نماز فجر میں جلدی بہتر ہے۔

اور جہاں تک نماز مغرب میں تاخیر کا معاملہ ہے تو یہ بھی درست ہے، پندرہ بیس

منٹ تک تاخیر کی جاسکتی ہے۔

احسن الفتاوی (۱۳۸/۲) میں ہے۔

رمضان میں اگر بھوک لگی ہو اور کھانا تیار ہو تو پندرہ بیس منٹ تاخیر میں کوئی مضایقہ نہیں ،اسلئے کہ یہ تاخیر زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے، اور بھوک کی حالت میں کھانے کی موجودگی میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے ،لہذا کھانے سے فارغ ہوکر اطمینان و فراغ قلب کے ساتھ نماز پڑھنا چاہیے۔

مساجد میں خواتین کیلئے الگ جگہ بنانے کا رواج

آج کل مساجد میں خواتین کیلئے جگہ مختص کردی جاتی ہے ۔عموماً یہ ہوتا ہے کہ مردوں اور عورتوں کی جگہ کے درمیان کوئی کپڑا لٹکادیا جاتا ہے ۔اس کے حکم میں کچھ تفصیل ہے۔

(۱) محلہ اور گاؤں کی مساجد میں خواتین کیلئے الگ جگہ بنانا صحیح نہیں کیونکہ خواتین کا مسجد آنا اور نماز پڑھنا درست نہیں ہے ،لہذا اس کی ضرورت ہی نہیں۔

(۲) بڑے شہروں، بازاروں، ہسپتالوں وغیرہ کی مساجد میں بنانا درست ہے، وہاں خواتین باقاعدہ نماز کیلئے نہیں جاتیں بلکہ کسی ضرورت سے چلی جاتی ہیں ۔اور نماز کا وقت آجانے پر پڑھ لیتی ہیں۔

(۳) شاہراؤں کی مساجد میں بنانا بھی درست بلکہ افضل ہے، تاکہ سفر کرنے والی خواتین کیلئے سہولت ہو، البتہ اگر جگہ ہو تو بالکل الگ "جائے نماز" اور "مصلّی" بنادیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے ، اور ان کیلئے بیت الخلاء وغیرہ کا انتظام بھی علیحدہ ہو۔

مساجد میں معذورین کیلئے الگ جگہ بنانا

سوال : مکرمی و محترمی جناب مفتی ریاض محمد صاحب دارالعلوم تعلیم القرآن

راولپنڈی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

زید ایک مسجد (جس کا نقشہ اس خط کے ساتھ منسلک ہے) کا متولی ہے، زید نے مسجد کی حدود کا تعین کیا ہوا ہے جیسا کہ نقشہ لف ھذا میں سرخ رنگ کی حدود بندی سے ظاہر ہے۔موجودہ مسجد سڑک سے تقریباً نو فٹ مسجد ہال سے نیچے ہے، اسلئے کچھ کمرے نیچے تہہ خانے میں بھی بنائے گئے ہیں لیکن ان کو مسجد کی حدود میں زید نے شامل نہیں کیا ہوا جیسا کہ نقشہ لف ھذا میں واضح ہے۔

اب مسئلہ یہ درپیش ہے کہ بوڑھے ضعیف اور بیمار نمازی حضرات کو سیڑھیاں چڑھنا دشوار اور تکلیف دہ ہے، اسلئے زید یہ چاہتا ہے کہ تہہ خانہ میں کمرہ نمبر۳ جو مسجد ہال سے متصل ہے کمرہ نمبر۲ کے بالکل نیچے ہے، اس کو بوڑھے ضعیف اور بیمار حضرات کیلئے جائے نماز بنادے اور کمرہ نمبر۲ اپنی موجودہ حالت میں غیر مسجد برقرار رکھے، برائے مہربانی رہنمائی فرمائیں کہ اس طرح کمرہ نمبر۳ میں نماز پڑھنے والے حضرات کا مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے والوں سے اتصال صفوف ہوجائیگا۔مذکورہ کمرہ نمبر۳ اور مسجد کے ہال کے درمیان کوئی کھڑکی یا روشندان یا سوراخ وغیرہ نہیں ہے۔اور صرف لاؤڈ سپیکر کے ذریعے ہی امام کی آواز سنی جاسکتی ہے، مزید یہ کہ عموماً عام نمازوں میں نمازیوں کی تعداد مسجد کے ہال کے نصف تک رہتی ہے یعنی آدھا ہال پورا برآمدہ اور دونوں گیلریاں وغیرہ خالی رہتی ہیں۔

زاہد حسین بھٹی۔

مکان نمبر 2/A لین نمبر (3) قائداعظم کالونی، دھمیال کیمپ روڈ راولپنڈی۔

الجواب حامداً ومصلیاً

صورت مسئولہ میں تین نمبر کمرے کو مسجد میں شامل کرنا فی نفسہ درست ہے اور وہ مسجد کا حصہ بھی بن جائے گا اور وہاں سے اقتداء کرنے والوں کی نماز باجماعت تصور ہوگی، کیونکہ لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ ان کو امام کے حالات و انتقالات کا علم ہوگا، البتہ عام با

جماعت نمازوں میں صفوف کا اتصال نہ ہوگا، اس بناء پر وہاں سے اقتداء کرنے والوں کی نماز مکروہ تحریمی ہوگی، اسلئے تندرست حضرات وہاں کھڑے نہ ہوں اور معذور اور کمزور حضرات کے حق میں کراہت بھی نہ رہے گی، اسلئے وہ وہاں سے اقتداء کرسکتے ہیں۔

فی الدر (۱/۵۷۰) ولو صلی علی (فوق المسجد ان وجد فی صحنہ مکانا کرہ کقیامہ فی صف خلف صف فیہ فرجۃ وفی الشامیۃ (قولہ کقیامہ فی صف الخ) ھل الکراھۃ فیہ تنزیھیۃ او تحریمیۃ ویرشد الی الثانی قولہ علیہ السلام " ومن قطعہ قطعہ اللّٰہ

یہ نفس مسئلہ ہے لیکن انتظامی لحاظ سے اس کمرے کو مسجد میں شامل نہ کرنا بہتر ہے اور اس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

(۱) اس حالت میں مذکورہ کمرے کو مصالح مسجد میں سے ہر جائز مصلحت کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے، اگر اسے مسجد میں شامل کردیا گیا تو نماز وعبادات کے علاوہ کسی مقصد کے لئے استعمال کرنے کی گنجائش نہ رہے گی۔ اور مستقبل کا کوئی پتہ نہیں، اس کی ضرورت پڑسکتی ہے۔

(۲) مساجد میں معذورین اور کمزور حضرات کے لئے اس طرح امتیازی جگہ بنانے کا پہلے معمول رہا ہے اور نہ اب رائج ہے۔

(۳) اب تک معذورین مسجد جاکر نمازیں ادا کرتے رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مسجد میں حاضر ہوسکتے ہیں اور اس میں اگر مشقت اور تکلیف ہو تو اتنا ہی ثواب زیادہ ہے اور اگر مسجد میں حاضر ہونے سے قاصر ہیں تو شرعاً ان کا باجماعت مسجد میں نماز پڑھنا ضروری نہیں۔ گھر میں پڑھیں ان شاء اللہ ان کو پورا ثواب ملے گا۔

(۴) معذورین کو دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی مصنوعی معذور بن جائیں گے۔ یا ویسے وہاں نماز پڑھنا شروع کردیں گے۔

(۵) یہ ہوسکتا ہے کہ وہاں کوئی اعلان لکھ دیا جائے کہ یہ جگہ معذورین کیلئے ہے لیکن شرعاً معذورین کیلئے مسجد میں اتنا اہتمام ثابت نہیں، اس سے ایک رواج شروع

ہو جائے گا اور دیگر مساجد کے نمازی بھی ایسی جگہ بنانے کا مطالبہ شروع کردیں گے ،بعض امور شرعاً جائز ہوتے ہیں لیکن لوگ اسے ضروری سمجھنے لگ جاتے ہیں اور اس کا رواج بن جاتا ہے جیسے اس زمانے میں اذان مغرب اور جماعت میں دو یا تین منٹ کا وقفہ شروع کردیا گیا ہے اور یہ ایک لازمی حصہ بنتا جارہا ہے ۔فوائد کی بجائے اس کے نقصانات او رمفاسد زیادہ ہیں ۔ واللہ اعلم

ریاض محمد

دارالافتاء تعلیم القرآن راولپنڈی

(۱۴۲۶/۸/۲۲)

مسجد کی زمین میں بانی امام یا متولی دفن کرنے کا رواج

اس زمانے میں یہ وبا پھیل چکی ہے کہ علماء و مشائخ کو مسجد و مدرسہ کے پہلو میں دفنا دیا جاتا ہے، اسی طرح کبھی امام بانی یا متولی کی قبر بنادی جاتی ہے، یہ غلط طریقہ ہے،اوّل تو عام قبرستان کو چھوڑ کر علیحدہ قبر بنانا، ناپسندیدہ اور مکروہ ہے، دوسرے یہ زمین مسجد و مدرسہ کیلئے وقف ہوتی ہے، اس میں کسی کی تدفین جائز نہیں ۔

مسجد میں مشورہ کرنے کا حکم

مسجد میں بیٹھ کر مشورہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ۔

(۱) کسی دنیاوی معاملے کے بارے مشورہ ہو ، یہ ناجائز ہے اس سے احتراز ضروری ہے ۔

(۲) امور مسجد یا امور دینیہ کے بارے مشورہ ہو، یہ چند شرائط کے ساتھ درست ہو۔

(۱) مسجد کے ادب و احترام کا مکمل خیال رکھا جائے ۔

(۲) آواز بقدر ضرورت ہو۔شور وشغب بالکل نہ ہو۔

(۳) کسی کی نماز میں خلل نہ آئے۔

فتاوی محمودیہ (۱۶۲/۱۵) میں ہے۔

بلا شور وشغب کے اس طرح بیٹھ کر مشورہ کر سکتے ہیں کہ مسجد کا ادب ملحوظ رہے اور کسی کی نماز میں خلل نہ آئے ، مسجد کی ضروریات مثلاً تقرر امام ، وتعیین اوقات نماز وغیرہ کے متعلق مشورہ کرنا دنیا کی بات نہیں ہے۔

اہل تبلیغ کا مسجد میں مشورہ کرنا

یہ بھی درست اور جائز ہے ۔دینی معاملہ میں شامل ہے لہذا مذکورہ شرائط کے ساتھ درست ہے۔

مسجد میں یا اس کے لاؤڈ سپیکر پر حمد، نعت، یا نظم پڑھنا

اللہ تعالی کی حمد ، نبی علیہ السلام کی شان میں نعت قصیدہ پڑھنا بلاشبہ کار ثواب ہے، یہی حکم صحیح المعنی نظم کا ہے اور مسجد میں پڑھنے کی مختلف صورتیں ہیں ۔

(ا) لاؤڈ سپیکر کے بغیر بیٹھ کر پڑھنا ، چند شرائط کے ساتھ درست ہے ۔

(ا) اس کا مضمون درست ہو۔

(ب) تمام حضرات نماز پڑھ چکے ہوں یا ان کیلئے نماز کے واسطے الگ جگہ موجود ہو۔

(ت) کوئی مفسدہ اور خرابی نہ ہو۔

فتاوی محمود یہ (۱۶۲/۱۵) میں ہے۔

سوال : مسجد میں بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی شان میں نعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب: پڑھ سکتا ہے جبکہ مضمون صحیح ہو اور کوئی خارجی مفسدہ بھی نہ ہو۔فقط

(۲) لاؤڈسپیکر پر پڑھا جائے لیکن آواز مسجد تک محدود ہو، یہ بھی مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ درست ہے۔

(۳) لاؤڈ سپیکر پر پڑھا جائے اور آواز باہر لوگوں تک پہنچے پھر اس کی دوصورتیں ہیں۔

(الف) کسی جلسہ، تقریب وغیرہ کا موقعہ ہے، تو اس کی گنجائش ہے۔یہ عارضی تکلیف آس پاس کے لوگوں کو گوارہ ہو جاتی ہے البتہ اس سے بچنا بہتر ہے۔

(ب) کسی تقریب و جلسہ کے بغیر اس کا معمول بنالینا جیسا کہ آج کل اہل بدعت نے وطیرہ بنا رکھا ہے۔یہ جائز نہیں، حرام ہے، نعت نظم اور حمد کے معنٰی درست بھی ہو، اس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، شوروشغب ہوتا ہے، پورے محلے اور گاؤں کو سر پر اٹھائے ہوتا ہے۔

فتاوی محمودیہ (۲۰۸/۱۵) میں ہے۔

سوال: یہاں مقامی مسجد میں اذان کیلئے لاؤڈ سپیکر لگایا گیا لیکن عشاء کے بعد روزانہ تین چار گھنٹے لوگ نعت، قصیدہ اور غزل پڑھتے ہیں اور اسے نیک فعل بتلاتے ہیں، اس کی وجہ سے نماز پڑھنے والوں کو کافی دقت ہوتی ہے۔کیا ان کو ایسا کرنا چاہیے۔ان کا یہ فعل جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: یہ طریقہ صحیح نہیں، اس کو بند کیا جائے اس میں مسجد کی بھی حق تلفی ہے اور نمازیوں کی بھی۔

مخصوص راتوں کو مساجد میں چراغاں کرنا بدعت ہے

ہمارے یہاں اہل بدعت مخصوص راتوں شب براءت وغیرہ میں مساجد میں زائد از ضرورت چراغاں کرتے ہیں، شرعاً یہ بدعت ہے اور اس میں کئی مفاسد اور خرابیاں ہیں۔

(۱) قرون ثلاثہ میں اس کا ثبوت نہیں ملتا اور نہ سلف کا طریقہ رہا ہے۔
(۲)اس میں ھندوں کی دیوالی کے ساتھ تشبیہ ہے۔
(۳) اسراف بے جا ہے۔
(۴) اس کی وجہ سے مساجد کھیل تماشہ بن جاتی ہیں، چنانچہ لوگ خصوصاً بچے تماشہ دیکھنے مسجد آتے ہیں۔
(۵) بہت سی مساجد میں سرکاری بجلی بلا اجازت لیجاتی ہے جو کہ چوری ہے۔

فی مجالس الابرار .اسراج السرج الکثیرة لیلة البراء ة فی السکک والا سواق بدعة وکذا فی المساجد قال الشاطبی فی کتاب الاعتصام (۲/۲۷۳) وحاصله ان النار لیس ابقارها فی المساجد البتة ثم احدث التزیین بها فی صارت من جملة مایعظم به رمضان واعتقد العامة هذا (الی قوله) وقد ذکر الطرطوشی فی ایفاد المساجد فی رمضان بعض هذه الامور وذکر ایضا قبائح سواها بحواله امداد المفتین(ص:۷۷۸)

مسجد میں اگر بتی وغیرہ جلانا

مسجد میں اگر بتی جلانا یا کوئی اور خوشبو چھڑکنا شرعاً درست ہے بلکہ بہتر ہے ،حدیث میں دھونی دینے کی ترغیب آتی ہے۔

فی سنن بن ماجة .(ص ۵۴)باب ما یکره فی المساجد، عن واثلة بن الاسقع ان النبی ﷺقال .....واتخذوا علی ابوابها المطاهر وجمروها فی الجمع .

شاہی اور یادگار مساجد کو تفریح گاہ بنانا ناجائز ہے۔

ہر دور میں فن تعمیر میں ترقی کے ساتھ ساتھ مساجد کو بھی ہر نئے فن میں تعمیر

کروایا گیا ہے ،اور ایسی مساجد تعمیر ہوئی ہیں جو انتہائی نرالی اور عجیب وغریب ہیں ،لیکن آج کل انہیں تفریح گاہ بنایا جاچکا ہے ،شرعاً یہ ناجائز اور حرام ہے،اور اس میں کئی مفاسد ہیں

(۱) یہ مسجد کے بنیادی مقصد کے خلاف ہے ۔فان المساجد لم تبن لهذا رواه مسلم (مشکوٰۃ : ۶۸/۱)

(۲) مسجد کے ادب واحترام کے منافی ہے۔

(۳) مسجد میں شوروشغب ہوتا ہے۔

(۴) خواتین ناپاکی کی حالت میں مسجد میں گھومتی پھرتی ہیں۔

(۵) خواتین نیم برہنہ اور بے پردگی کی حالت میں آتی ہیں۔

(۶) کافر مرد وعورت بھی آتے ہیں جن کا جنابت سے پاک ہونا بھی ضروری اور یقینی نہیں ہوتا۔

(۷) بچے ساتھ ہوتے ہیں ،وہ مسجد کے ادب واحترام کا بالکل خیال نہیں رکھتے

(۸) مسجد میں تصویر کشی تک ہوتی ہے۔

(۹) غیر محرم مرد وخواتین دوستی کرنے اور گپیں لگانے آتے ہیں۔

ایسی صورت میں حکومت اور مسجد کی انتظامیہ پر لازم ہے کہ مسجد کو تفریح گاہ بنانے سے روکے اور اس کے لئے مفید مؤثر منصوبہ بندی کرے۔

غیر مسلموں کا مساجد میں سیر و معاینہ کیلئے داخلہ

آپ کے مسائل اور ان کا حل (۲۳۹/۹) میں ہے۔

سوال : مسئلہ کچھ یوں ہے کہ آج کل ملک میں ممالک غیر سے حکومتی وفود آتے رہتے ہیں جن میں غیر مسلم بھی شامل ہوتے ہیں۔ان لوگوں کو حکومتی ارباب حل وعقد و صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان کی رضامندی سے مساجد کی سیر کروائی جاتی ہے ،خاص طور

پر "فیصل مسجد" اسلام آباد ۔ان وفود میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں تو ایسی صورت حال میں ان عورتوں اور غیر مسلموں کا مساجد میں داخل ہونا کیا جائز ہے؟

جواب: چند مسائل لائق توجہ ہیں ۔

(۱) مساجد عبادگاہ ہیں، تفریح گاہیں نہیں ۔ان کو تفریح کی جگہ بنالینا نہایت بری بات ہے۔

(۲) غیر مسلم کا مسجد میں جانا تو جائز ہے لیکن یہ آنے والے اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے غیر ستر کا لباس پہنا ہوا ہوتا ہے، ان کے گھٹنے ننگے ہوتے ہیں ،عورتیں بے پردہ ہوتی ہیں اور ان میں سے بہت ممکن ہے کہ بہت سے لوگوں نے غسل جنابت بھی نہ کیا ہو ۔ایسی حالت میں ان کا مساجد میں آنا حرام اور مسلمانوں کے لئے قابل نفرین ہے۔

(۳) بہت سی عورتیں ایسی ہیں کہ وہ ناپاک حالت میں ہونے کی وجہ سے مساجد میں جانے کی اہل نہیں ہوتیں، حیض و نفاس کی حالت میں ہیں یا زچگی کی حالت میں ہیں یا جنابت کی حالت میں ہیں، اور وہ تو چونکہ جاہل ہیں ان کو مسئلہ معلوم نہیں ، نہ ان کے دل میں اللہ کے گھروں کا احترام ہے، اسلئے بے تکلف وہ بھی آتی جاتی ہیں، ایسی عورتوں کا آنا اور ان کو آنے کی اجازت دینا موجب لعنت ہے ۔

(۴) بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ اپنے ساتھ کھیل کود کا سامان لئے پھرتے ہیں، کیمرے ان کے گلوں میں حمائل ہیں اور کھانے پینے سے ان کو کوئی پرہیز نہیں، چھوٹے بچے کھیل کود میں مشغول ہوجاتے ہیں ،الغرض مسجد کو بہت سی بے حرمتیوں کا نشانہ بنالیا جاتا ہے ۔اسلئے ان کا آنا صحیح نہیں ۔

(۵) حکومت اگر غیر مسلموں کو اجازت دیتی ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ ان کے دلوں میں اسلام کی عظمت قائم ہو لیکن حکومت کو چاہیے کہ اس داخلے کیلئے خاص شرائط مقرر کرے۔

عصر حاضر میں خواتین کے مسجد جانے اور باجماعت نماز پڑھنے کا حکم

اس زمانے میں بعض دین اسلام کے دعویدار بھی مغرب کے پرفریب نعرے" آزادی نسواں" سے متأثر نظر آتے ہیں ،وہ اس بات کے خواہاں ہیں کہ مسلمان عورت اپنے گھر کی زیب و زینت بننے کے بجائے مساجد کی زیبائش بنے ۔یہ خواہش اس لحاظ سے مغربی فکر سے بدتر ہے کہ اس کی تکمیل کیلئے اسلام اور دین کا نام استعمال کیا جارہا ہے، اور احادیث مبارکہ کا سہارا لیا جارہا ہے ۔چند سال پہلے تک خواتین کو تراویح پڑھنے کیلئے مساجد جانے کو کہا جاتا تھا اور بسا اوقات صلوٰۃ التسبیح کے نام سے خواتین کو جمع کیا جاتا تھا لیکن اب بعض بددینوں نے خواتین کو عام نمازوں میں شرکت کی ترغیب دینا شروع کردی ہے ۔اس بناء پر اس مسئلے کی تفصیل اور وضاحت ضروری ہے ۔

بلاشبہ خواتین عہد نبوی میں مسجد جاکر نمازیں ادا کرتی تھیں اور ان کو اجازت تھی لیکن اس بارے چند باتیں ملحوظ رہنا ضروری ہیں ۔

(۱)عہد نبوی میں عورتوں کو مساجد جانے کی صرف اجازت دی گئی تھی لیکن ترغیب یہی تھی کہ خواتین اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھیں ، بلکہ گھر میں پڑھنا افضل قرار دیا گیا ، ابو داؤد میں عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکو مگر ان کا گھر ان کیلئے (مسجد سے) بہتر ہے،

الترغیب والترہیب (۱۴۱/۱) اور طبرانی اوسط میں ام سلمہؓ کی روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ عورت کی وہ نماز جو وہ اپنے کمرے میں پڑھے اس نماز سے بہتر ہے جو دالان میں ہو، اور اس کی وہ نماز جو دالان میں پڑھے اس نماز سے بہتر ہے جو گھر کے صحن میں ہو، اور اس کی وہ نماز جو وہ گھر کے صحن میں پڑھے اس سے بہتر ہے جو اس کے محلہ کی مسجد میں ہو ،(حوالہ بالا) معلوم ہوا کہ افضل اس وقت بھی یہی صورت تھی کہ خواتین گھروں میں نماز پڑھیں۔

(۲) خواتین کو مذکورہ اجازت بھی ضرورتِ تعلیم وتعلم کی وجہ سے دی گئی تھی ،

اس وقت شریعت کے نئے نئے احکام نازل ہوتے تھے اور انہیں سکھانے کی جگہ مسجد تھی نبی علیہ السلام مسجد نبوی میں اپنے قول وعمل سے اس کی تعلیم دیتے تھے، ان احکام کی جیسے مردوں کو ضرورت ہے عورتوں کو بھی ضرورت ہے اس لئے عورتوں کو اجازت دی گئی کہ وہ مسجد آئیں اور نبی علیہ السلام کی تعلیمات اور احکامِ شرع سے باخبر ہوں، اب کی صورت حال بہت مختلف ہے تمام احکام شرع مکمل بھی ہو چکے ہیں اور کتب کی شکل میں مدون بھی ہو چکے ہیں، نئے احکام نازل نہیں ہوتے لہٰذا مساجد جا کر سیکھنے کی ضرورت نہیں رہی۔

(۳) اس وقت نئے نئے احکام نازل ہوتے تھے، اور خواتین کو پردے کا حکم ہی نہ تھا، بعد میں صورت مختلف ہوگئی اور پردے کے احکام نازل ہوگئے اس کے ساتھ عورتوں کے نکلنے میں سختی آگئی اگرچہ اجازت پھر بھی تھی۔

(۴) نبی علیہ السلام کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا، صحیحین میں روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا **خیرالقرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم** . یعنی تم میں سے سب بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا جو ان سے ملنے والے ہیں پھر ان لوگوں کا جو ان سے ملنے والے ہیں، نبی علیہ السلام کی صحبت سے صحابہ کرام اور صحابیات کے دل ہر برائی سے پاک تھے وہ تزکیہ اور اصلاح کے اعلی درجے پر فائز تھے، بعد میں اس طرح کا تقویٰ نہیں رہا، اسلئے زمانہ کے فرق کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔

(۵) خیر القرون میں عورتوں کو اجازت بھی متعدد شرائط کے ساتھ دی گئی تھی مثلاً (ا) مکمل پردہ میں ہو کر آئیں (۲) خوشبو لگا کر نہ آئیں (۳) بجتا ہوا زیور پہن کر نہ آئیں (۴) زیب وزینت اختیار کر کے اور بن سنور کر نہ آئیں (۵) مسجد میں حاضری کو ضروری نہ سمجھیں (۶) مردوں کے اٹھنے سے پہلے چلی جائیں۔

(۶) زمانے کے بدلنے سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے زمانے میں عورتوں کو مساجد آنے سے منع کر دیا، اول تو صحابہ کرام کا قول وعمل بھی ان احکام ومسائل میں حجت بن سکتا ہے جن کا تعلق تغیرِ زمانہ سے ہو، دوسرے صحابہ کا عمل ایسے معاملہ میں نبی علیہ السلام کے طرزِ عمل کا ترجمان بنتا ہے، اگر نبی علیہ السلام بھی اس

دور میں ہوتے جو صحابہ نے بعد میں دیکھا ہے تو آپ بھی وہی فیصلہ فرماتے جو صحابہ نے فرمایا، چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کا قول ہے،

لو ان رسول الله ﷺ رای ما احدث النساء بعده لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل

یعنی اگر نبی علیہ السلام ان حالات کو ملاحظہ فرماتے جو آپ کے بعد عورتوں نے پیدا کردیئے ہیں تو جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو مساجد سے روک دیا گیا تھا آپ بھی انہیں روک دیتے، حدیث الباب کے راوی ابن عمرؓ ہیں۔

لیکن عمدۃ القاری (۱۵۷/۶) میں منقول ہے کہ وہ جمعہ کے روز کھڑے ہو کر عورتوں کو کنکریاں مارتے اور مساجد سے نکالتے، اسی طرح مجمع الزوائد (۳۸/۲) میں بحوالہ طبرانی ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ بھی جمعہ کے دن عورتوں کو کنکریاں مار کر مسجد سے نکالتے اور فرماتے کہ گھر چلی جاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

(۷) امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ عہد نبوی میں عورتوں کو اجازت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ کافروں اور دشمنوں کی نظر میں مسلمانوں کی شہرت و قوت ظاہر ہو اور یہ علت اب باقی نہیں، علامہ عینیؒ نے اس پر اضافہ فرمایا کہ اس مقصد کیلئے نکلنے کی اجازت بھی اس امن و امان والے زمانہ میں تھی، اب اس طرح امن بھی نہ رہا، لہٰذا دونوں علتین مفقود ہیں، امن و امان بھی اور مسلمانوں کی کثرت کا اظہار بھی۔

(۸) صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین تبع تابعین اور فقہاء کرام سے بھی ممانعت منقول ہے۔ کچھ حضرات نے اجازت بھی دی ہے اور کچھ حضرات نے کڑی شرائط لگائی ہیں، امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت جواز کی اور ایک عدم جواز کی ہے۔ احنافؒ نے جوان اور بوڑھی میں فرق بھی کیا ہے کہ جوان کسی نماز کیلئے نہیں جاسکتی اس کے نکلنے میں فتنہ کا خطرہ ہے اور صاحبینؒ سے منقول ہے کہ بوڑھی تمام نمازوں میں جاسکتی ہے اور امام صاحبؒ کے ہاں ظہر عصر میں نہیں جاسکتی اور باقی تین میں جاسکتی ہے، بعد کے فقہاء کرام نے ہر خاتون کو مسجد جانے سے منع کردیا ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کے

زمانے میں تعلیم کی جو ضرورت تھی وہ باقی نہ رہی، نیز اس طرح کا تقویٰ نہ رہا لہٰذا اب کسی عورت کو مسجد جانے کی اجازت نہیں، نہ جوان کو اور نہ بوڑھی کو۔

الباب الرابع فی الوقف وما یتعلق به

(وقف اور اس کے متعلقہ مسائل)

تمہید

مسجد شرعی بننے کی چند اہم شرائط:

شرط نمبر ۱: شرعی مسجد بننے کیلئے زمین کا وقف ہونا ضروری ہے، اور وقف صحیح ہونے کیلئے زمین کا مملوک ہونا ضروری ہے۔ لہذا اگر ایسی جگہ مسجد بنائی گئی جو باقاعدہ مسجد کیلئے وقف نہ کی ہو یا اس کی مملوک ہی نہیں غیر کی زمین ہے تو وہ شرعی مسجد نہ کہلائیگی۔

شرط نمبر ۲: شرعی مسجد تحت الثری سے آسمان تک مسجد کہلاتی ہے، اس کیلئے ضروری ہے کہ مسجد کا تحتانی حصہ اور بالائی حصہ مسجد ہی کے حکم میں ہو اور اسی پر وقف ہو البتہ اس بارے کچھ تفصیل ہے۔

(۱) ایک جگہ صرف ایک چھت پر مشتمل مسجد بنائی گئی ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ تحت الثری سے آسمان تک مسجد ہے، اب اس کے نیچے یا اوپر کوئی چیز بنانا کسی صورت میں جائز نہیں، اگر بانی مسجد کہے کہ میں نے اس کے اوپر یا نیچے کوئی چیز بنانے کی نیت کی تھی تو اس کا قول تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

فی التتارخانیة(۵/۸۴۴) نقلا عن الحاوی والمنتقی اذا بنی الرجل

مسجدا او بنی فوقه غرفة وهو فی یده فله ذلک وان کان حین بناه خلی بینه وبین الناس ثم جاء بعد ذلک یبنی لایترک وفي جامع الفتاوی : ولو قال "عنیت ذلک لایصدق" وکذا فی الدر (۳۵۸/۴)

لیکن ظاہر ہے کہ مسجد پر گھر وغیرہ مسجد بننے کے بعد ہی ممکن ہے، مسجد پہلے بنے گی اس کے بعد گھر وغیرہ اور بسااوقات اوپر کچھ بنانا ہوتا ہے لیکن فی الحال سرمایہ نہیں ہوتا، اس لئے تاخیر کرنا پڑتی ہے، ایسی صورت میں اگر بانی کا ارادہ سب کو معلوم ہو، یہ بات نمازیوں میں مشہور ہو تو بانی کی نیت کا اعتبار ہوگا، وہ جب بھی چاہے، اوپر کچھ بنا سکے گا۔

(۲) ابتداء سے نئی مسجد بن رہی ہے اور رکئی منزلہ ہے۔ بناتے ہوئے ارادہ کر رکھا ہے کہ اس کے نیچے یا اس کے اوپر والے حصے کو مسجد کے مصالح کیلئے استعمال کیا جائیگا تو شرعاً ایسا کرنا درست ہے اور اس کی اجازت ضرورت کی بناء پر دی گئی ہے۔

فی الدر (۳۵۸/۴) لو بنی فوقه بیتا للامام لایضر لانه من المصالح.

امداد الفتاوی (۵۹۵/۲) میں ہے۔

اصل مذہب تو یہی ہے کہ عنان سماء اور تحت الثری تک سب مسجد ہے لیکن ضرورت میں اصل مذہب سے عدول کیا گیا ہے، گو اس عدول کو مختلف توجیہیں کر کے اصل مذہب پر منطبق کرنا چاہا ہے لیکن اقرب یہی ہے کہ انطباق مشکل ہے، دراصل توجیہ "ضرورت" ہے چنانچہ ہدایہ میں صاحبین سے بغداد اور رے میں داخل ہونے کے وقت اجازت کی روایت اس کی شاہد ہے۔

(۳) اس میں بحث چلی ہے کہ مسجد کے نیچے یا بالائی حصہ کو مسجد کے مصالح پر وقف کرنا ہی ضروری ہے یا رفاہ عامہ کے ہر کام کیلئے وقف کیا جاسکتا ہے، اگر چہ وہ مسجد کے مصالح میں سے نہ ہو، کتب فقہ میں عموماً مصالح مسجد کا ذکر ملتا ہے، لیکن علامہ عبدالقادر رافعی رحمہ اللہ نے ردالمحتار کے حاشیہ التحریر المختار میں رفاہ عامہ کیلئے وقف کرنے اور مسجد کے نیچے اور اوپر رفاہ عامہ کی کوئی چیز بنانے کی بھی اجازت لکھی ہے۔ اور یہ جو فقہاء نے لکھا ہے کہ وہ جگہ مسجد کیلئے وقف ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے کسی بندے کا حق متعلق نہ رہے، حق العبد اس سے مکمل طور پر منقطع ہوجائے۔

فی الدر (۳۵۷/۴) واذا جعل تحته سردا با لمصالحه ای المسجد جاز ، قال فی التحریر المختار (ص: ۸۰) (قول المصنف لمصالحه ،لیس بقید بل الحکم کذلک اذا کان ینتفع به عامة المسلمین علی ما افاده فی غایة البیان حیث قال اورد الفقیه ابو اللیث سؤالاً وجوابا فقال فان قیل الیس مسجد بیت المقدس تحته مجتمع الماء والناس ینتفعون به قیل اذا کان تحته شی ینتفع به عامة المسلمین یجوز لانه اذاانتفع به عامتهم صار ذلک للّٰہ تعالیٰ ایضاً اه ومنه یعلم حکم کثیر من مساجد مصر اللتی تحتها صهاریج ونحوها.

(۴) مسجد کے اوپر یا نیچے مصالح مسجد اور رفاہی چیزیں بنانا درست ہے ،لیکن ان میں جو چیزیں بذات خود احترام مسجد کے خلاف ہیں، جیسے بیت الخلاء پیشاب خانہ اور غسل خانہ وغیرہ تو ان کا حکم یہ ہے کہ ان کا مستقل طور پر مسجد کے نیچے یا اوپر بنانا جائز نہیں البتہ ضمناً اور تبعاً درست ہے ،مثلاً امام ،مؤذن کی رہائش یا مدرسہ بنا دیا تو اس کے ضمن میں بیت الخلاء بنا سکتے ہیں ،اور جو چیزیں بذات خود مسجد کے احترام کے منافی نہیں جیسے مدرسہ لائبریری وغیرہ تو ان کا مستقلاً بنانا بھی درست ہے۔

(۵) اگر مسجد کا صرف نقشہ تیار ہوا ہے،اس پر با قاعدہ کام شروع نہیں ہوا،اس دوران اگر اس کے نیچے یا اوپر مصالح مسجد یا رفاہ عامہ کیلئے کچھ بنانا چاہیں تو درست ہے،محض نقشہ کا اعتبار نہیں ہے۔

مسجد کے اوپر یا نیچے امام یا مؤذن کا گھر بنانا

مذکورہ تفصیل کے مطابق اگر ابتداء ہی سے مسجد کے نیچے یا اس کے اوپر امام یا مؤذن کی رہائش کیلئے گھر بنا دیا گیا تو یہ جائز ہے اور مصالح مسجد میں داخل ہے اور اس میں بیت الخلاء لیٹرین پیشاب خانہ اور غسل خانہ بنانا بھی تبعاً اور ضمناً درست ہوگا۔

الدر (۳۵۷/۴) وکذا فی الشامیة ، والبحر (۴۴۵/۵) وغیرها ،

البتہ اگر مسجد بن چکی ہے تو بعد میں اس کے اوپر یا نیچے گھر بنانے کی اجازت نہیں ہے کماذکرنا۔

مسجد کے اوپر یا نیچے دوکانیں بنانا

مسجد کے اوپر یا نیچے دوکانیں بنانا بھی درست ہے بشرطیکہ ابتداء سے بنائی جائیں اور وہ مسجد کے واسطے وقف ہوں، ان کا کرایہ مسجد پر لگایا جائے۔

مسجد کے اوپر یا نیچے ہسپتال وغیرہ بنانا

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں مسجد کے اوپر اور نیچے ابتداء سے ہر قسم کا رفاہی ادارہ بنانا جائز ہے جیسے ہسپتال، سرائے، پانی کی سبیل وغیرہ جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔

مسجد کے نیچے یا اوپر مدرسہ بنانا

مذکورہ اصول کے مطابق ابتداء سے مسجد کے نیچے یا اوپر مدرسہ اور دینی درسگاہ بنانا جائز ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب: عموماً یہ شبہ ذہن میں آتا رہتا ہے کہ جب ابتداء ہی سے مسجد کے نیچے یا اوپر مدرسہ، گھر، کمرہ، رفاہی ادارہ، دکان، مارکیٹ بنانا جائز ہے تو سوال یہ ہے کہ مسجد تحت الثریٰ سے آسمان تک مسجد ہوتی ہے، لازمی بات ہے کہ دکان اور مارکیٹ وغیرہ میں وہ کام بھی ہوتے ہیں جو مسجد کے ادب واحترام کے خلاف ہیں، خواتین کی آمدورفت اور شوروشغب وغیرہ، اس کا جواب یہ ہے کہ جب ابتداء ہی سے اس کے نیچے یا اوپر کوئی ایسی جگہ بنادی تو اب وہ صرف مخصوص منزل ہی مسجد کہلائیگی، بالائی اور تحتانی حصہ مسجد کے حکم میں نہ ہوگا۔

مجموعۃ الفتاوی (۱/۱۸۳) میں اسی طرح کے شبہ کے جواب میں ہے۔

زیر مسجد نہ حقیقتاً مسجد ہے، خصوصاً جبکہ بانی مسجد نے اس کے نیچے خلا رکھا ہو، اور اس کو وقف علی المسجد کیا ہو، کیونکہ وقف علی المسجد اور شی ء ہے اور مسجد اور شی ء ہے، اور نہ فنائے مسجد ہے کہ جس کا حکم عزت وحرمت میں مثل مسجد کے ہے کیونکہ فناء مسجد کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی ...... یہ حکم اس وقت ہے جب زیر مسجد اور بالائے مسجد بانی مسجد نے کوئی مقام خارج از وقف علی المسجد نہ کیا ہو۔ایسی ہی صورت میں فقہاء لکھتے ہیں کہ مسجد کا فوق آسمان تک اور تحت ثری تک سب مسجد کے حکم میں ہے نہ ہر صورت میں الخ۔

مسجد کے نیچے بیت الخلاء لیٹرین اور غسل خانے بنانا

مسجد کے نیچے یا اوپر مستقلاً مذکورہ اشیاء بنانا جائز نہیں کیونکہ یہ بذات خود احترام مسجد کے منافی ہیں۔ہاں ضمناً اور تبعاً بنانے کی گنجائش ہے، جیسے امام یا مؤذن کی رہائش ہو، اس میں بنا سکتے ہیں کما ذکرنا۔

مملوک مارکیٹ یا دوکانوں پر بنائی گئی مسجد شرعی نہیں

پہلے آچکا کہ مسجد کا بالائی اور زیریں حصہ مسجد کے لئے وقف ہونا یا رفاہ عامہ کے کام کیلئے وقف ہونا ضروری ہے، تا کہ اس سے بندے کا حق بالکل ختم ہوجائے اسلئے اگر نیچے یا اوپر ذاتی مارکیٹ یا دوکانیں ہوں تو ان کے نیچے یا اوپر بننے والی مسجد شرعی نہیں کہلائیگی ، اس کی حیثیت صرف ''جائے نماز'' کی ہوگی کیونکہ اس سے بندے کا حق متعلق ہے۔کما فی خیر الفتاوی (۲/۷۵۷)

فی الشامیۃ (۴/۳۵۸) قال فی البحر ، وحاصلہ ان شرط کونہ مسجدا ان یکون سفلہ وعلوہ مسجدا لینقطع حق العبد عنہ لقولہ تعالیٰ : وان

المساجد للّٰہ الخ

دفاتر کی مساجد میں نماز کا ثواب

آپ کے مسائل اور ان کا حل (۱۳۸/۲) میں ہے۔

سوال: میں نے ایک شخص سے سنا جو کہ نماز وغیرہ کا پابند ہے کہ ایک بلڈنگ (کاروباری دفاتر کی بلڈنگ) کے اندر اگر کوئی کمرہ نماز کیلئے مخصوص کردیا گیا ہو تو اس میں نماز پڑھنے سے اتنا ثواب نہیں ملتا جتنا ایک مسجد میں نماز پڑھنے سے ملتا ہے؟

جواب: بلڈنگ میں جو کمرہ نماز کیلئے مخصوص کردیا گیا ہو اس کا حکم مسجد کا نہیں، نہ اس میں مسجد کا ثواب ملے گا۔

مسجد کے نیچے سے گٹر پائپ گزارنا جائز نہیں

جیسے مسجد کے نیچے بیت الخلاء بنانا جائز نہیں، اسی طرح اس کے نیچے گٹر پائپ گزارنا بھی جائز نہیں خواہ مسجد کے بیت الخلاء کا گٹر ہو یا اہل محلہ یا کسی مملوک گھر کے بیت الخلاء کا، کیونکہ یہ احترام مسجد کے منافی ہے، البتہ اگر کسی نے گزار دیا تو اس کے اوپر فرش پر نماز ادا ہو جائیگی۔

فی الحلبی الکبیر (ص:۲۰۲)فصل فی الآسار قبیل فروع شتی ، اذا کانت النجاسة علی باطن اللبنة اوالأجرة وھوعلی ظاھر ھما قائم یصلی لم تفسد صلوته لان النجاسة غیر متصلة بمکان قیامه وکذا الحجر وبمثله اذا حلت النجاسة بخشبة فقلّبھا الخ

مسجد کے نیچے پارکنگ کے لئے جگہ بنانے کا حکم

مسجد کے نیچے ابتداء ہی سے گاڑی موٹر سائیکل وغیرہ کھڑی کرنے کیلئے جگہ بنانا شرعاً درست ہے کیونکہ اس کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱) نمازی حضرات گاڑی کھڑی کریں، یہ مصالح مسجد میں داخل ہے۔

(۲) عام لوگ کھڑی کریں لیکن ان سے مسجد کیلئے کرایہ وصول کیا جائے۔یہ بھی مصالح مسجد میں داخل ہے۔

(۳) مسجد بازار میں ہے دکاندار یا گاہک حضرات گاڑی کھڑی کریں تو اسے رفاہ عامہ میں شامل کیا جاسکتا ہے، بعض علاقوں میں مساجد دور ہوتی ہیں اور بعض میں اپنے مسلک کی مساجد جانا پڑتا ہے جس کے لئے گاڑی کا استعمال کرنا پڑتا ہے، اس کے علاوہ غیر مسلم ممالک میں یہ صورت زیادہ پیش آتی ہے کہ مسجدیں بہت دور ہوتی ہیں اور اردگرد گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ نہیں ہوتی ، اسلئے مسجد کے نیچے پارکنگ کیلئے جگہ بنانے میں مضایقہ نہیں ہے۔

مسجد کے صحن میں حوض اور وضو خانہ بنانا

اگر ابتداء ہی سے مسجد کے صحن میں حوض اور وضو خانہ بنالیا جائے تو جائز ہے اور حوض تک پانی لانے اور وضو خانہ سے نکالنے کیلئے صحن کے نیچے نالی یا پائپ نکالی جائے تو جائز ہے۔اور اگر ابتداً نہیں بنایا گیا تو بعد میں صحن میں حوض یا وضو خانہ بنانا جائز نہیں، کیونکہ وہ حصہ مسجد بن چکا ہے، اب وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گا۔ماخذہ: کفایۃ المفتی (۴۰/۷)

وفی الدر (۳۵۸/۴) اما لو تحت المسجد یۃ ثم اراد البناء منع الخ

قبرستان سے مسجد بنانا

قبرستان سے مسجد بنانے یا قبروں کو مسجد میں شامل کرنے کے بارے سوالات

کثرت سے ہوتے ہیں ،اس بارے یہ تفصیل ہے کہ اگر قبریں نئی ہوں ،مردوں کو دفن ہوئے قلیل وقت گزرا ہو، جس کی نشانی یہ ہے کہ میت پرانی ہو کر مٹی نہ ہوئی ہو تو ایسے مقبرے پر مسجد بنانا یا بعض قبروں کو مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں ۔خواہ قبرستان وقف ہو یا کسی کا ذاتی ہو، اس کی وجوہ یہ ہیں ۔

(۱) اس سے قبروں اور موتی کی توہین ہوتی ہے ۔محمودیہ (۴۸۹/۱)

(۲) موتی کی طرف سجدہ کرنا لازم آتا ہے ۔حوالہ بالا۔

(۳) جب ایک مصرف کی ضرورت باقی ہے تو دوسرے میں لگانا جائز ہی نہیں ۔

اور اگر قبریں پرانی ہیں جن میں یقین یا غالب گمان ہے کہ مردے مٹی ہو چکے ہوں گے تو ایسی صورت میں وہاں چند شرائط کے ساتھ مسجد بنانا جائز ہے ۔اس میں مردوں کی بے حرمتی نہیں ہوتی ۔

فتاوی رحیمیہ (۹۴/۶) میں ہے ۔

اس سے قبروں کی بے حرمتی نہ ہوگی بلکہ مردوں کی روحیں خوش ہوں گی کہ نماز پڑھی جاتی ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ مردے کتنی مدت میں خاک ہو سکتے ہیں ؟اس میں میت کی جسمانی ساخت ،زمین کے نرم اور سخت،موسم کے گرم اور سرد ہونے سے فرق پڑتا ہے،اسلئے ان تین امور کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بارے ان لوگوں کا قول معتبر ہوگا جو اس کام میں بصیرت اور تجربہ رکھتے ہیں جیسے گورکن،ان کے نزدیک عادت عامہ کے مطابق جتنی مدت میں میت کے اجزاء مٹی ہو جاتے ہیں اتنی مدت گذرنے پر قبرستان پرانا شمار ہوگا۔

شرائط کی تفصیل یہ ہے کہ وہ قبرستان کسی کا مملوک ہوگا یا وقف، اگر کسی کا مملوک ہو تو اس کی اجازت ضروری ہے اور اگر وقف ہو تو شرائط یہ ہیں ۔

(۱) قبرستان پر ہو چکا ہو اور لوگوں نے وہاں مردے دفنانا ترک کر دیا ہو، اگر متبادل نظام نہ ہو اور وہاں دفن کرتے ہوں تو اسے قبرستان رہنا ضروری ہے ۔

(۲) جن لوگوں کیلئے وقف ہے یا وہاں علاقے کے جو لوگ ہیں وہ اتفاق رائے

سے اس کی اجازت دیں، تاکہ کسی قسم کا تنازع نہ ہو، اگر بعض نے کہا کہ ہم اس میں مردے دفنائیں گے تو چونکہ وقف کا اصل مصرف ہی یہی ہے اسلئے اس کی اجازت ہوگی،اوروہ اس میں دوبارہ مردے دفن کرسکیں گے، اگر بعض قبور سے مسجد بنانی ہوتو پھر اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ باقی ماندہ قبور نمازیوں کے سامنے نہ ہوں بلکہ درمیان میں دیوار حائل کردی جائے۔

فی عمدة القاری للامام العینی (۱۷۹/۴)، فان قلت هل یجوز ان تبنی المساجد علی قبورالمسلمین ؟قلت قال ابن القاسم رحمه اللّٰه تعالیٰ لوان مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم ار بذلک باسا وذلک لانا لمقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن موتاهم لایجوز لاحد ان یملکها فاذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها الی المسجد لان المسجدایضاً وقف من اوقاف المسلمین لایجوز تملیکه لاحد فمعناهما علی هذا واحد.

وفی الهندیة (۱۶۷/۱) ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه کذا فی التبیین.

قبروں پر چھت ڈال کر مسجد و مدرسہ بنانا

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں یہ بھی درست ہے کہ قبروں کو ویسے ہی رہنے دیا جائے اوران پر چھت ڈال کر مسجد ومدرسہ تعمیر کروایا جائے۔

مسجد کی پرانی صفوں، چٹائیوں، قالینوں، گارڈ روغیرہ کا حکم اور ایک اہم اصول:

مسجد کی مذکورہ اشیاء اگر پرانی ہوجائیں اور بعینہ مسجد میں کام نہ آسکتی ہوں تو

ان کا حکم یہ ہے کہ یہ اشیاء دو قسم کی ہوتی ہیں۔

(۱) وہ اشیاء جو خود تعمیر مسجد میں داخل ہوتی ہیں، جیسے دروازے، کھڑکیاں، گارڈز، ملبہ، سریا، سیمنٹ، پتھر، اینٹ وغیرہ، انہیں انقاض المسجد کہا جاتا ہے، یہ چیزیں مسجد کی ملک ہوجاتی ہیں، خواہ وقف مال سے خریدی گئی ہوں یا کسی نے دی ہوں، ان کا حکم یہ ہے کہ اگر نئی تعمیر کے وقت انہیں دوبارہ استعمال کیا جاسکتا ہو تو دوبارہ استعمال کرلینا چاہیے اور اگر دوبارہ استعمال نہ ہوسکتی ہوں تو پھر اگر وہ اتنی ناکارہ ہوں کہ خرید وفروخت کے قابل نہ ہوں جیسے سیمنٹ تو اسے ضائع کردینا درست ہے، اگر کوئی لے جانا چاہتا ہے تو لے جاسکتا ہے اور اگر وہ خرید وفروخت کے قابل ہوں جیسے سریا پتھر لکڑ وغیرہ تو انتظامیہ مسجد اسے فروخت کرکے قیمت مسجد میں لگادے۔ قدیم فقہاء نے اس کے فروخت کیلئے قاضی سے اجازت کو لازمی قرار دیا ہے، اس زمانہ میں انتظامیہ مسجد اور وہاں کے مسلمانوں کی رضامندی اس کے قائم مقام ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ اشیاء ہیں جن کا بناء مسجد میں کوئی دخل نہیں ہوتا، جیسے قالین، دریاں، چٹائیاں، صفیں، فانوس وغیرہ، انہیں آلات المسجد کہا جاتا ہے، ایسی اشیاء کا حکم یہ ہے کہ جب تک قابل استعمال ہوں تو مسجد میں استعمال کرنا ضروری ہے، اور جب قابل استعمال نہ رہیں یا ان کی ضرورت نہ رہے تو یہ ایسی صورت میں واقف اور معطی کی ملکیت میں واپس آجاتی ہیں، لہذا وہ انہیں لے جاسکتا ہے، اگر معطی اور واقف نہ ہو تو اس کا وارث لے جاسکتا ہے۔ مسجد کی انتظامیہ انہیں فروخت کرکے رقم مسجد میں لگانا چاہے تو مالک یا اس کے ورثہ سے اجازت ضروری ہے۔ اگر مالک یا وارث موجود نہ ہو یا معلوم نہ ہو تو باجازت قاضی، اگر قاضی نہ ہو تو انتظامیہ اور جماعۃ مسلمین کی اجازت سے بیچ کر رقم مسجد میں لگانا درست ہے، اور اگر یہ اشیاء کسی نے نہ دی ہوں بلکہ مال وقف سے خریدی گئی ہوں تو انتظامیہ انہیں فروخت کرکے رقم مسجد پر لگاسکتی ہے۔

فی الشامیة (۳۶۰/۴) سأل شیخ الاسلام عن اهل قرية رحلواوتداعی مسجدها الی الخراب ، وبعض المتغلبة يستولون علی خشبة

وینقلونه الی دُوَرِهم هل لواحدلاهل المحلة ان یبیع الخشبة بامرالقاضی ویمسک الثمن لیصرفه الی بعض المساجداو الی هذا لمسجد؟ قال نعم.

وفی احسن الفتاوی (۴۲۵/۶) قلت فی زماننا جماعة المسلمین بمنزلة القاضی لان ولایته مستفاد ة منهم فکانه هم و کانهم هو ، فان حکام زماننا لا یعبؤن بمثل هذه الامور الدینیة.

وفی الهندیة (۴۵۸/۲) حصیرالمسجداذاصارخلقاواستغنی اهل المسجد عنه وقد طرحه انسان ان کان الطارح حیا فهو له وان کا ن میتا ولم یدع وارثا ارجوان لا بأس ان یدفع اهل المسجد الی فقیراو ینتفع به فی شراء حصیرآخر للمسجد والمختار انه لایجوز لهم ان یفعلواذلک بغیرامرالقاضی اه.

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد منتقل کرنا

اس کی دوصورتیں ہیں۔

(۱) پہلی مسجد ہنوز آباد ہے اور اس میں نمازیں پڑھی جاتی ہیں ، تو اس صورت میں اس کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز نہیں، خواہ وہ آلات مسجد میں سے ہو یا انقاض مسجد میں سے اور خواہ پہلی مسجد کو اس کے سامان کی ضرورت ہو یا نہ ہو،اگر خود سامان کی ضرورت ہو تو اسے وہاں لگانا ضروری ہے اور اگر سامان کی ضرورت نہ ہو تو اسے بیچ کر قیمت وہاں لگانا ضروری ہے۔ہاں اگر اس مسجد کو رقم کی فی الحال اور آئندہ کیلئے بھی ضرورت نہ ہو تو پھر قریبی ضروت مند مسجد میں منتقل کرنا جائز ہے۔

(۲) وہ مسجد کسی وجہ سے غیر آباد ہوگئی ہے اور اس میں کوئی بھی نماز نہیں پڑھتا مثلاً وہاں کے لوگ ہجرت کر کے کہیں اور بس رہے ہیں تو ایسی صورت میں یہ تفصیل ہے۔

(الف) انقاض المسجد کو قاضی یا جماعۃ المسلمین کی اجازت سے دوسری مسجد میں نقل

کرنا جائز ہے۔

(ب) آلات المسجد مالک اور دینے والے شخص کی ملکیت میں لوٹ آتے ہیں، وہ انہیں ہر جائز مقصد میں لگا سکتا ہے، اگر دوسری مسجد منتقل کرنا ہو تو مالک سے اجازت لینا ضروری ہے، اور اگر آلات مسجد وقف مال سے خریدے گئے ہوں تو انتظامیہ انہیں دوسری مسجد منتقل کرسکتی ہے۔

فی البحر (۲۵۱/۵) واما الحصر والقناديل فالصحيح من مذهب ابی یوسف انه لا يعود الى ملک متخذه بل يحول الى مسجد آخراويبيعه قيم المسجد الى المسجد الخ .

قال فی امداد الفتاوی(۵۹۲/۲) قلت ، وهذه الرواية وان كانت منقولة فی صورة خراب المسجدوغيره ولكن لما كان مبنی الحكم الاستغناء كا ن الحكم عامّا وان لم يخرب وهذاظاهرعندی.

ایک مسجد کے قرآن، پارے اور کتب دوسری مسجد منتقل کرنا

اگر پہلی مسجد ویران ہوگئی تو آلات المسجد کی طرح انہیں دوسری مسجد منتقل کرنا درست ہے اور بوقتِ استغناء مالک کی ملکیت میں بھی آجاتے ہیں، اور اگر پہلی مسجد آباد ہو تو انہیں دوسری مسجد منتقل کرنا جائز نہیں، اگرچہ ضرورت سے زائد ہوں، کیونکہ آئندہ ضرورت پڑسکتی ہے اور ایسی صورت میں دینے والے کو آگاہ کرنا ضروری ہے کہ فی الحال اس مسجد کو ضرورت نہیں ہے تاکہ وہ ضرورت مند مسجد پر وقف کرے۔

فتاوی محمودیہ (۲۹۶/۲) میں ہے۔

جو پارے یا کتب جس مسجد کیلئے وقف ہوں، ان کو دوسری جگہ لے جانے کی اجازت نہیں۔

احسن الفتاوی (۶-۴۰۷) میں ایک سوال کے جواب میں ہے۔

اگر واقف نے خاص مسجد یا خاص مدرسہ کیلئے قرآن یا کتاب کو وقف کیا ہے تو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں۔

یہ حکم وقف قرآن اور پاروں کا ہے، اگر کسی نے وقف نہ کئے ہوں، محض تلاوت کیلئے رکھے ہوں تو بوقت استغناء وہ مالک کے ہیں، وہ انہیں دوسری مسجد منتقل کرسکتا ہے۔

وضاحت: علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے مجموعۃ الفتاوی (۱۱۳/۲) میں قرآن کریم ایک مسجد سے دوسری مسجد منتقل کرنے کی اجازت دی ہے۔

سوال: اگر کسی مسجد پر قرآن شریف کو وقف کیا تو اسی مسجد پر محصور ہوگا یا نہیں؟

جواب: نہیں، درمختار میں ہے **وقف مصحفا علی اهل مسجد للقراء ة ان یحصون جاز وان وقف علی المسجد جاز ویقرأ فیه ولا یکون محصورا علی هذاا لمسجد۔**

لیکن اس پر علامہ شامی رحمہ اللہ نے جو کچھ لکھا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں دو قول ہیں، صاحب الدر نے دونوں اقوال کو ادھورا نقل کیا ہے جس سے وہم پیدا ہوتا ہے اور علامہ شامی نے ظاہر اسی کو قرار دیا ہے کہ وہاں سے دوسری مسجد منتقل کرنا درست نہیں۔

فی الدر (۳۶۵/۴) وفی الدرر وقف مصحفا الخ قال الشامی (قوله ولا یکون محصورا علی هذاا لمسجد)هذا ذکر فی الخلاصة بقوله وفی موضع آخر ولا یکون الخ ای وذکر فی کتاب آخر فهو قول آخرمقا بل لقوله :ویقرأ فیه ، فان ظاهره انه یکون مقصورا علی ذلک المسجد وهذا هو الظاهرحیث کان الواقف عین ذلک المسجد ، فما فعله صاحب الدر حیث نقل العبارة عن الخلاصة واسقط منها قوله "وفی موضع آخر" غیر مناسب لایهامه انه من تتمة ما قبله الخ.

مسجد کی اشیاء کو عاریت پر دینا

فتاوی محمودیہ (۲۰۳/۶) میں ہے۔
سوال: مسجد کی مٹکیاں، لوٹے، گلاس، پنکھے، سائبان مسلمانوں کو عاریۃً بیاہ شادی یا غمی میں دینا یا لے جانا جائز ہے یا نہیں۔
جواب: ناجائز ہے، ان سب کو مسجد میں معطی کی شرائط کے موافق استعمال کرنا چاہیے۔

مسجد کی کوئی چیز مثلاً لوٹا اپنے لئے خاص کرنا

فتاوی محمودیہ (۲۰۳/۶) میں ہے۔
سوال: زید مسجد کا لوٹا اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے، دوسرا کوئی استعمال کرتا ہے تو ناراض ہوتا ہے اور اس کو ناپاک سمجھتا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟
جواب: زید کا یہ طریقہ غلط ہے، اگر اس کو وہم ہے کہ دوسرے کے استعمال سے لوٹا ناپاک ہوجاتا ہے تو اس وہم کو چھوڑ دے، اگر نہ چھوٹ سکے تو اپنا لوٹا خرید کر علیحدہ رکھے اور نماز کے وقت لے آیا کرے تا کہ دوسرے کو اس کے استعمال کی نوبت ہی نہ آئے۔

تعمیر مسجد کے دوران نماز باجماعت موقوف کرنا درست نہیں

مسجد کی نئی تعمیر کے دوران عموماً نماز باجماعت کا سلسلہ منقطع کردیا جاتا ہے، یہ شرعاً صحیح نہیں، اس دوران بھی نماز باجماعت ہونی چاہئے البتہ نماز جمعہ موقوف کرنے میں مضائقہ نہیں۔ ماخذہ: فتاوی رحیمیہ (۱۰۹/۶)

الباب الخامس فی تولیة المسجد و نظامه

(مسجد کی تولیت اور اس کے نظام کا بیان)

مسجد کی انتظامیہ کمیٹی بنانا

اس زمانے میں مسجد کا نظم و ضبط چلانے کیلئے اہل محلہ اور نمازیوں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے، جس کا ایک صدر ہوتا ہے اور اس کے علاوہ مختلف عہدے اور مناصب ہوتے ہیں، کوئی نائب صدر، کوئی خزانچی ہوتا ہے اور ممبران کا انتخاب اہل محلہ اور نمازی حضرات کرتے ہیں۔ شریعت کی رو سے یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن عمل ہے۔ البتہ اس کے بھی کچھ احکام و مسائل ہیں، ان کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

متولی کی شرائط واوصاف

مسجد، دین کا اہم مرکز اور اللہ تعالیٰ کا مقدس گھر ہے، ہر کس ناکس کو اس کا منتظم یا صدر بنانا جائز نہیں، اس کے انتظام سنبھالنے، صدارت اور تولیت کی کچھ شرائط ہیں ان کا خیال رکھنا ضروری ہے، تولیت مسجد کی شرائط دو قسم کی ہیں (۱) شرائط استحباب (۲) شرائط وجوب۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

شرائط استحباب:

مسلمان ہو، مرد ہو، آزاد ہو، دیندار متقی اور پرہیزگار ہو، امانت دار ہو، دیانت دار

ہو ،صدارت ونظامت کی نہ خواہش رکھتا ہواور نہ اس کا طلب گار ہو،وقف اور مسجد کے ضروری مسائل واحکام کے بارے علم رکھتا ہو،اگر علم نہ ہوتو کسی عالم یا مفتی سے پوچھنے میں کوتاہی نہ کرتا ہواور نہ ہی مسئلہ پوچھنے میں عار اور شرم محسوس کرتا ہو،اصل خدمت امور مسجد کا انتظام واہتمام ہے اس میں ماہر ہو،رحم دل ،منصف مزاج،علم دوست اور اہل علم کی تعظیم وتکریم کرنے والا ہو،عالم باعمل ہونا چاہئے ،اگر عالم باعمل صدر میسر نہ ہوتو صوم وصلوۃ کا پابند ہو،انتظام وقف کی اہلیت اور اس سے دلچسپی رکھتا ہو،وہ شرعی اقدار کا مالک ہو،اخلاق حسنہ اور اچھے کردکا حامل ہو،لالچی حریص اور دنیا کا طالب نہ ہو

شرائطِ وجوب:

(۱) عاقل ہو(۲) بالغ ہو(۳)عادل ہو(۴)فرائض منصبیہ کی ادائیگی پر قادر ہو۔

چنانچہ مجنون،پاگل،دیوانے،غیر عادل،امور مسجد سرانجام دینے سے عاجز اور نابالغ بچے کو مسجد کا متولی اور صدر بنانا جائز نہیں،اگر کسی نے بنادیا تو اس کے تصرفات شرعاً نافذ نہ ہوں گے۔

فی قانون العدل والانصاف (ص: ۶۸) المادة ۱۴۵ :یشترط لصحة التولیة ان یکون القیم عاقلابالغا ولا یشترالحریةوالاسلام فالعبد اهل للنظر فی ذاته وکذا الذمی فتصح تولیة للنظر علی الوقف.

ومثله فی الشامیة (۳۸۱/۴) وقال الرافعی (ص:۸۴) فی منهوات الانقرویة هذا یدل علی ان تولیة الذمی صحیحة و ینبغی ان یخص بوقف الذمی فان تولیة الذمی علی المسلم حرام لا ینبغی اتباع شرط الواقف فیها.

فی الهندیة (۲/۴۹۶) الصالح للنظر من لم یسأل الولایة للوقف ولیس فیه فسق یعرف هکذا فی فتح القدیر وفی الاستیعاب لایولّی الا امین قادر بنفسه او بنائبه.

حق انتخاب

متولی کے انتخاب کا حق واقف کو ہے، پھر حاکم اور قاضی کو یا واقف نے جن لوگوں کو اس کا اختیار دیا ہوتا ہے، ہمارے یہاں چونکہ اسلامی حکومت نہیں ہے اسلئے یہ حق واقف وبانی کو حاصل ہے، اس کے بعد اگر اس نے کسی کو اختیار دیا ہو تو اسے حاصل ہوگا اور اگر کسی کو نہ دیا ہو تو نمازی دیندار اہل محلہ کو حاصل ہوگا، گویا یہ حاکم اور قاضی کے قائم مقام تصور کئے جائیں گے۔

فاسق و فاجر کو متولی اور صدر بنانا جائز نہیں ۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوگیا کہ فاسق وفاجر شخص مسجد کا متولی اور صدر نہیں بن سکتا، اگرچہ اس کے تصرفات نافذ ہوجائیں گے۔

فتاوی رحیمیہ (۱۶۴/۳) میں ہے ۔

استفتاء: (۹۸۲) مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہئے؟

الجواب: مسجد کا متولی عالم باعمل ہو، عالم نہ ہو تو دیندار اور دیانتدار تو ضرور ہو ۔غیر عالم فاسق کو متولی بنانا ناجائز ہے ۔خدا پاک فرماتے ہیں **انما یعمر مساجد اللّٰہ من اٰمن باللّٰہ والیوم الاٰخر واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللّٰہ فعسی اولٰئک ان یکونوا من المھتدین (پ: ۱۰ /سورۃ براء ۃ)**

یعنی اللہ کی مسجدوں کو صرف وہ آباد کرتے ہیں جو خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈریں تو امید ہے کہ یہ لوگ (فلاح وکامیابی کی) راہ پانے والے ہوں گے ۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں امام الھند مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

نیز یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ خدا پاک کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمان کو پہنچتا ہے ،اور وہ ہی اسے آباد رکھنے والے ہو سکتے ہیں، یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فاسق و فاجر آدمی مساجد کا متولی نہیں ہوسکتا۔کیونکہ دونوں کے درمیان کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی ، بلکہ متضاد باتیں جمع ہوجاتی ہیں (وہ یہ کہ) مسجد خدا پرستی کا مقام ہے اور متولی خدا پرستی سے نفور۔(ترجمان القرآن)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی رہنمائی وہی کرسکتا ہے جس کی زندگی پیغمبر ﷺ کے اسوہ حسنہ کا نمونہ ہو۔

سینما کے مالک کو مسجد کمیٹی کا صدر و متولی بنانا جائز نہیں

خیرالفتاوی (۱۹/۲ے) میں ہے۔

ایسا شخص جو سینما کا مالک ہے اور خود بھی سینما چلا رہا ہے ،اس کا ذریعہ معاش بھی سینما کی کمائی ہے۔کیا وہ کسی مسجد اور اس کے ساتھ ملحقہ دینی درس کا صدر بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ ذریعہ معاش شرعاً جائز نہیں اور ایسا شخص دینی صدارت کا اہل نہیں۔

بے نمازی کا صدر یا متولی بنانا جائز نہیں۔

فتاوی محمودیہ (۴۵۲/۲) میں ہے۔

سوال نمبر ۵۶۳: جو متولی نماز نہیں پڑھتا ہے وہ قابل متولی رہنے کے ہے یا نہیں؟

الجواب : متولی کی اصل خدمت انتظام واہتمام مسجد ہے اس میں ماہر ہونا ضروری ہے لیکن چونکہ متولی کو امین اور دیانت دار ہونا بھی لازم ہے،اور جو شخص تارک فرائض بھی ہے وہ فاسق ہے اور فاسق کو متولی بنانا جائز نہیں۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل (۱۴۱/۲) میں ہے۔

سوال: مسجد کی کمیٹی اور زکوۃ کمیٹی میں بے نمازی کو چیئر مین یا صدر بنانا یا کوئی

ممبر بنانا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب: جو شخص نماز ہی کا پابند نہیں اس کا مسجد اور زکوٰۃ سے کیا تعلق ؟۔

فی الهندية (۲/۹۹٦) الصالح للنظر من لم يسأل الولاية للوقف وليس فيه فسق يعرف هكذا فی فتح القدير وفی الاستيعاب لايولّٰی الا امين قادر بنفسه او بنائبه.

بنک ملازم کو صدر بنانا جائز نہیں ۔

بنک ملازم کو مسجد کمیٹی کا صدر بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ بنک کی ملازمت حرام ہے ۔اور جو شخص حرام تنخواہ لیتا ہے وہ فاسق و فاجر ہے، نیز جب وہ حرام و حلال میں تمیز نہیں کرتا تو مسجد کے مال میں بھی خرد برد کرسکتا ہے ۔اس سلسلہ میں ایک فتویٰ ملاحظہ ہو۔

سوال : بندہ عرصہ دراز سے جامع مسجد کبریٰ مومن پورہ راولپنڈی میں نظامت و خطابت کررہا ہے۔ ہماری مسجد کی ایک کمیٹی ہے جس کے سابقہ صدر فوت ہوگئے تو بندہ نے ......نامی ایک شخص کو تین سال کیلئے صدر نامزد کردیا ، بعض حضرات کا یہ اعتراض ہے کہ ان کی داڑھی نہیں ہے، اسلئے انہیں صدر بنانا صحیح نہیں ہے، اگر وہ داڑھی رکھ لیں تو کیا انہیں صدر بنانے پر کوئی اعتراض ہوگا یا نہیں ؟ انہوں نے داڑھی رکھنے کا وعدہ کرلیا ہے ۔جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں ۔

محمد ہاشم

جامع مسجد کبریٰ مومن پورہ

الجواب حامدا ومصلیا

اگر مذکورہ شخص سنت کے مطابق داڑھی رکھ لیں تو ان کو صدر بنانا بلاشبہ درست رہے گا اور ان پر کسی قسم کا اعتراض باقی نہ رہے گا ۔

فقط واللہ اعلم

ریاض محمد

دارالافتاء تعلیم القرآن راولپنڈی

۱۵/۷/۱۴۲۵ھ

اس کے بعد نمازی حضرات کی طرف سے یہ سوال آیا۔

محترم جناب قابل احترام مفتی صاحب دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار

السلام علیکم

گزارش ہے کہ ہمارے مسجد کے امام نے ...... کو جوکہ حبیب بنک میں ملازمت کرتا ہے اور بنک کی تنخواہ لیتا ہے، سنت کے مطابق داڑھی بھی نہیں رکھی ہوئی ہے اور پانچ وقت کی نماز بھی پابندی سے نہیں پڑھتا، ہمارے امام صاحب نے انہیں صدارت کے لئے نامزد کیا ہے۔ اور اس کی حمایت کا اعلان کیا ہے جبکہ دوسری طرف سے حافظ ..... صاحب ہیں شرعی طریقے سے داڑھی بھی رکھی ہوئی ہے اور نماز بھی پانچ وقت پابندی سے پڑھتے ہیں، ہر سال تراویح میں قرآن پاک سناتے ہیں، ان دونوں میں سے شرعی طور پر کون مسجد کا صدر بن سکتا ہے؟ مذکورہ بنک ملازم کو صدر بنانا اور اس کی حمایت کرنا کیسا ہے؟ اس بارے فتویٰ عنایت فرماویں۔ شکریہ والسلام

نمازی حضرات مسجد کبریٰ

مومن پورہ راولپنڈی

الجواب حامداً ومصلیاً

صورت مسئولہ میں امام صاحب کا ..... کو صدارت کیلئے نامزد کرنا اور اس کی حمایت کا اعلان کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ سوال میں درج خامیوں کی وجہ سے وہ مسجد کمیٹی کے صدر نہیں بن سکتے، ان کے علاوہ کسی شخص کو صدر بنایا جائے۔ اگر حافظ ..... صاحب میں صدارت کی دوسری شرائط موجود ہوں تو انہیں بھی صدارت سونپی جاسکتی

ہے۔

متولی کے لئے ضروری ہے کہ وہ امانت دار ہو، خائن نہ ہو، دیندار ہو۔ بددین نہ ہو، وقف کے ضروری مسائل سے واقف ہو، مسلمان ہو۔ انتظام وقف کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہو اور مسجد کی خدمت میں مخلص ہو، اور اس کا کام دلچسپی اور محنت سے کرتا ہو، فاسق و فاجر نہ ہو، اور صدارت کا خود طلب گار نہ ہو، شرعی اقدار کا مالک ہو، اخلاق کردار اور اعمال کے لحاظ سے متقی پرہیزگار ہو۔

فتاوی رحیمیہ (۱۶۴/۳) میں ہے۔

مسجد کا متولی عالم باعمل ہو۔ عالم نہ ہو تو دیندار اور دیانت دار ضرور ہو، غیر عالم فاسق کو متولی بنانا ناجائز ہے، خدا پاک فرماتے ہیں، انما یعمر مساجد اللّٰہ من امن الخ سورۃ البراءۃ پارہ:۱۰ یعنی اللہ کی مسجدوں کو صرف وہی آباد کرتے ہیں جو خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈریں تو امید ہے کہ یہ لوگ (فلاح اور کامیابی کی) راہ پانے والے ہوں گے

مذکورہ آیت کی تفسیر میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں

"نیز یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ خداپاک کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمان کو پہنچتا ہے اور وہی اس کے آباد رکھنے والے ہوسکتے ہیں۔ یہاں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ فاسق و فاجر آدمی مساجد کا متولی نہیں ہوسکتا کیونکہ دونوں کے درمیان کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی۔ بلکہ متضاد باتیں جمع ہوجاتی ہیں (وہ یہ کہ) مسجد خدا پرستی کا مقام ہے اور متولی خدا پرستی سے نفور۔ (ترجمان القرآن)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی رہنمائی وہی کرسکتا ہے جس کی زندگی پیغمبر ﷺ کے اسوہ حسنہ کا نمونہ ہو۔

واضح رہے کہ کچھ عرصہ قبل بھی مسجد ہذا سے اس سلسلہ میں استفتاء آیا تھا جس میں فقط یہ درج تھا کہ صدر صاحب کی داڑھی نہیں، اگر وہ داڑھی رکھ لیں تو ان کی صدارت پر اعتراض رہے گا یا نہیں۔ دارالافتاء سے یہ جواب دیا گیا تھا کہ اگر وہ سنت

کے مطابق داڑھی رکھ لیں تو پھر کوئی اعتراض نہ رہے گا جبکہ اس بار کے استفتاء میں بنک کی ملازمت اور پانچ وقت کی نمازوں کی پابندی نہ کرنے کا ذکر بھی موجود ہے، اگر واقعی ان کی داڑھی نہیں ہے یا مکمل نہیں اور سابقہ وعدہ پورا نہ کر سکے اور اس بارے کے استفتاء میں درج خامیاں بھی اس میں موجود ہیں تو بلاشبہ وہ صدارت کے مستحق نہیں ملخص۔ فقط واللہ اعلم

ریاض محمد

دارالافتاء تعلیم القرآن راولپنڈی

۲۶/۷/۱۴۲۵ھ

پھر امام صاحب کی طرف سے یہ استفتاء آیا۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے:

ہماری مسجد کی مجلس انتظامیہ ہے جو دستور کے ماتحت ہے جس کے زیادہ سے زیادہ 19 ممبران ہیں جن میں بندہ ناچیز بھی شامل ہے۔اور مسجد کی ایک مجلس عاملہ (جنرل باڈی) بھی ہے، اس مجلس انتظامیہ کا ایک صدر ہے اور یہ صدر دستور اور مجلس انتظامیہ کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا، اس بار صدر صاحب کے انتقال کے بعد نائب صدر اول کو جو عرصہ ۷،۸ سال سے اوّل نائب صدر تھے، جو اس عرصہ میں مسجد کے انتظام کو بخوبی سمجھ گئے ہیں، اس بناء پر بندہ ناچیز نے آئندہ تین سال کی مدت کے واسطے دستور کے مطابق نامزد کیا جس کی منظوری مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس میں دی جس میں ۵۵ ممبران ہیں۔ صدر صاحب امانت و دیانت سے فرائض کو نبھا رہے ہیں،اس طویل تمہید کے بعد عرض یہ کہ بعض دوست معترض ہیں کہ یہ شخص بنک میں ملازم ہے اور بنک میں سودی لین دین ہوتا ہے لہذا ایسا شخص مسجد کمیٹی کا صدر نہیں بن سکتا۔اور جن لوگوں نے اس کی حمایت کی وہ سب (جن میں بندہ بھی شامل ہے) گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہیں، لہذا قرآن سنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ ہمارا یہ انتخاب جائز ہے یا نہیں اور ہمارا یہ عمل گناہ کبیرہ ہے؟ جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

محمد ہاشم

امام وخطیب جامع مسجد کبری
مومن پورہ راولپنڈی

الجواب حامداً ومصلیاً
مذکورہ مسجد کی مجلس انتظامیہ کے افراد کافی تعداد میں ہیں اور ان میں صدارت اور تولیت کے اہل حضرات موجود ہیں، اسلئے ان کی موجودگی میں بنک ملازم کا انتظامیہ کا صدر بنانا درست نہیں ، جن حضرات نے اسے صدر بنایا ہے اور اس کی حمایت کرتے ہیں ان کا یہ عمل درست نہیں ۔ اسلئے وہ اس کی مزید حمایت نہ کریں، مسئلہ معلوم ہوجانے کے بعد اس کی تائید گناہ ہے۔
کفایت المفتی (۲۰۱/۷) میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔
’’اور جو شخص متولی ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اس کو متولی بنانا جائز نہیں ،اس کے بارے میں امداد واعانت کرنا بھی ناجائز ہے۔جولوگ کہ امداد کریں گے وہ گناہ گار اور ظالم ہونگے‘‘

فی الشامیة (۳۸۰/۴) ولا یولّی الا امین قادر بنفسه او بنائبه لان الولاية مقيدة بشرط النظر وليس فی النظر تولية الخائن لانه يخل بالمقصود ،کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی .

وفی الهندية (۴۰۸/۲) الصالح للنظرمن لم يسأل الولاية للوقف وليس فيه فسق يعرف هكذا فی فتح القدير وكذا فی قانون العدل والانصاف (ص:۱٦۸)
فقط واللہ اعلم

ریاض محمد
دارالافتاء تعلیم القرآن راولپنڈی
۱۴۲۵/۷/۲۸

اس پر پھر سوال آیا۔

مذکورہ بنک ملازم شخص نے جامعہ سراجیہ راولپنڈی سے ایک فتویٰ حاصل کیا ہے، جس میں بنک کے کاروبار کو درست اور اس کی ملازمت کو صحیح قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے کہ بنک ملازم مسجد کمیٹی کا صدر بن سکتا ہے، آپ سے التماس ہے کہ منسلکہ سوال و جواب ملاحظہ فرما کر حقیقت سے آگاہ فرمائیں۔

نمازی حضرات جامع مسجد کبریٰ مومن پورہ راولپنڈی

وہ سوال اور فتویٰ یہ ہیں۔

سوال: بندہ ناچیز ایم جاوید اقبال ولد حافظ حبیب احمد نے ایم بی اے کر رکھا ہے اور ایک سیدھا سادہ راسخ العقیدہ مسلمان ہے۔ حصول روزگار کے لئے ایک بنک میں ملازم ہے جس میں حکومت اسلامی جمہوریہ پاکستان حصہ دار ہے۔ حکومت بارہا اعلان کر چکی ہے کہ پاکستان میں کوئی قانون اور ادارہ شرع اور قرآن و سنت کے خلاف نہیں۔ مزید برآں بنک نفع و نقصان کی بنیاد پر کام کر رہے ہیں۔ اور مناسک حج اور عمرہ جیسے مقدس فریضے کی سرانجام دہی کے لئے بھی بنک سے رجوع کرنا ضروری ہے اور عالمی تجارت جیسے اہم کام بھی بنک ہی سرانجام دے رہے ہیں بینکنگ کے بغیر معاشی سرگرمیاں ٹھپ ہو کر رہ جائینگی۔ نیز ہر سرکاری ملازم کو تنخواہ بنک سے ملتی ہے۔ ملک میں موجودہ حالت اضطرار میں کیا پاکستانی بنک سودی کاروبار میں ملوث ہیں؟ کیا بنک کا ملازم جو کہ مناسب متبادل روزگار کی تلاش میں بھی ہو، کسی مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کا عہدہ دار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ رائے دے کر شکریہ کا موقعہ دیں۔

فقط والسلام

ایم جاوید اقبال

8-10-04

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب ھو الموفق للصواب

بشرط صحت سوال سائل کسی مسجد کا صدر یا انتظامیہ کا ممبر بن سکتا ہے۔ بنک کی

ملازمت یا وکالت حرام نہیں۔سائل صرف اپنے وقت کی اجرت وصول کر رہا ہے جو شریعت میں جائز ہے۔جبکہ بنک نفع اور نقصان کی بنیاد پر کام کر رہا ہے۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔صلوا خلف کل بروفاجر یعنی آپ ہر نیک اور گناہ گار کے پیچھے نماز پڑھیں،جب گناہ گار کی امامت جائز ہے تو مسجد کی خدمت بطریق اولی جائز ہے،مسجد کی انتظامیہ ایک خادم کی حیثیت سے کام کرتی ہے،اس خدمت میں گناہ گار اور نیک سب شامل ہو سکتے ہیں جبکہ ملک کا سارا کاروبار اور تجارتی نظام بنکوں سے وابستہ ہے۔سائل شریعت کی رو سے مسجد کا صدر یا ممبر بننے کا اہل ہے،اس میں کوئی قباحت نہیں اور نہ کوئی شرعی رکاوٹ ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

احقر الانام عبدالحمید

مفتی جامعہ سراجیہ نظامیہ

گورنمنٹ کالج روڈ راولپنڈی

تاریخ 20/10/04

مہر،فتوی نمبر 4414006

الجواب حامدا ومصلیا

منسلکہ فتوی کا خلاصہ تین چیزیں ہیں۔

(۱) موجودہ بنک نفع اور نقصان کی بنیاد پر کام کرتے ہیں جو کہ شرعاً جائز ہے، اس بناء پر بنکوں کا طریقہ کار صحیح اور درست ہے۔

(۲) موجودہ بنکوں کی ملازمت جائز ہے کیونکہ اس میں اپنے وقت اور محنت کی اجرت لی جاتی ہے۔

(۳) فاسق و فاجر شخص بھی امام اور مسجد کی کمیٹی کا صدر بن سکتا ہے۔البتہ حوالہ کسی کتاب کا نہیں دیا۔

ان دعاوی پر مختصر تبصرہ یہ ہے کہ پہلا دعوی بداہت کے بھی خلاف ہے اور ایسا دعوی وہ شخص کر سکتا ہے جسے نہ فتوی سے کوئی مناسبت ہو اور نہ ہی موجودہ بنکوں کے

طریقہ کار کا علم ہو۔ ہر شخص جانتا ہے کہ موجودہ بنکوں میں اکاؤنٹ ہولڈرز کو نفع ہی ملتا ہے اصل رقم بالکل ضائع نہیں ہوتی، وہ بہر صورت مل جاتی ہے۔ دوسرا دعوی پہلے دعوی کی صحت پر مبنی ہے اور اس کا بطلان واضح ہو چکا، اور اس دور کے تمام علماء کرام کا اتفاق ہے کہ موجودہ بنکوں کا معاملہ سودی ہے اور انکی ملازمت جائز نہیں۔

جہاں تک اس دلیل کا تعلق ہے کہ بنک ملازم اپنے وقت اور محنت کا معاوضہ لیتا ہے تو جواب یہ ہے کہ ڈاکو، چور اور شراب بیچنے والا بھی وقت لگاتا اور محنت کرتا ہے، اسکی کمائی کیوں حرام ہے؟

تیسرا دعویٰ بھی غلط ہے، فاسق وفاجر صدارت کا اہل نہیں، اس کے دلائل سابقہ فتاوی میں آچکے ہیں، جہاں تک حدیث ''صلوا خلف کل برو فاجر'' سے استدلال کا تعلق ہے تو یہ بھی عجیب استدلال ہے، کیونکہ فاسق کی امامت بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے اور مذکورہ حدیث کے کئی مطالب محدثین نے بیان فرمائے ہیں۔

(۱) یہ حدیث ظالم غاصب حکمران کے بارے میں ہے، اس جیسی دوسری احادیث میں نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میرے بعد ظالم حکمران بھی آئیں گے، ان کے کچھ احکام بھی بیان فرمائے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ چونکہ وہ نماز بھی پڑھائیں گے اور ان کا معزول کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے، اسلئے ان کی اقتداء میں نماز پڑھ لیا کرو۔

(۲) کوئی بھی امام فاسق اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے اور وہ کسی مسجد میں نمازیں پڑھاتا ہے اس کو معزول کرنا ہر شخص کے اختیار میں نہیں اور قرب و جوار میں دوسری مسجد موجود نہیں تو ایسی صورت میں باجماعت نماز چھوڑنا درست نہیں، بادل ناخواستہ اسی امام کے پیچھے پڑھ لیا کرے۔

اسلئے مذکورہ حدیث عام حالات کے بارے میں نہیں، اور اس سے مذکورہ استدلال بھی درست نہیں ہے۔

فی اعلاء السنن (۲۲۷/۴) عن عبداللّٰہ بن عمرو قال امر رسول اللّٰہ

ﷺ رجلا یصلی بالناس الظهر فتفل فی القبلة وهو یصلی للناس...... قال : لا ولکنه تفلت بین یدیک ، وانت قائم تؤم الناس ، فاذیت اللّٰه والملئکة رواه الطبرانی .

قال العثمانی رحمه اللّٰه ، قوله "عن عبداللّٰه بن عمرو" الخ قلت : فیه دلالة علی ان مرتکب المعصیة لا یستحق الامامة ....وفی الهندیة: ویکره تقدیم الفاسق لانه لایهتم لامر دینه ، قلت :هذا ای کراهة التقدیم هو الذی دل علیه الحدیث ،امالوتقدم الفاسق بغلبة ،ولم یقدرالقوم علی عزله فلا دلالة فی الحدیث علی کراهة الصلوة خلفه حینئذ...... واما کراهة الصلوة خلف الفاجر فلا خلاف فی ذلک الخ فقط واللّٰه اعلم

ریاض محمد

دارالافتاء تعلیم القرآن راولپنڈی

۱۴۲۵/۸/۱۵ھ

عورت کا مسجد کمیٹی کا صدر یا ممبر بننا

شریعت کی رو سے حدود و قصاص کے علاوہ دیگر معاملات میں عورت کو قاضی بنانا جائز ہے، اس کی رو سے کوئی خاتون مسجد کمیٹی کی صدر یا ممبر بھی بن سکتی ہے، بشرطیکہ

(۱) اس میں کسی قسم کا مفسدہ نہ ہو۔

(۲) امور انتظام پردہ میں رہ کر انجام دے یا نائب کے ذریعے طے کرے۔

لیکن اس میں دشواریاں اور چہ مگوئیاں ضرور ہیں ،اسلئے احتراز افضل ہے۔

ماخذہ: فتاوی دارالعلوم کراچی تبویب (۴۴/۹۴)

فی البحرالرائق (۵/۲۲۶) فی الاسعاف :لا یولی الا امین قادر بنفسه او بنائبه ....ویستوی فیه الذکر والانثی الخ

نااہل کو صدر بنانے پر وعیدیں اور اس کی مذمت

اس زمانے میں مسجد کمیٹی مین جو کوتاہیاں پائی جاتی ہیں اور اہل کے بجائے نااہل لوگوں کو مسلط کیا جاتا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں، اس کے نتیجے میں مساجد میں آئے دن جھگڑے ہوتے ہیں اور ہفتے اور مہینوں میں ائمہ اور مؤذنین کا تبادلہ ہوتا ہے جس سے دیندار لوگوں کی بدنامی ہوتی ہے، مذکورہ شرائط پر متولی اور صدر کا انتخاب نہیں کیا جاتا، علم اور تقوی کے مقابلہ میں مال اور ثروت کو ترجیح دی جاتی ہے، یہ بڑی خیانت اور بے ایمانی ہے۔

اہل علم و پابند صوم صلوۃ اور پرہیز گار کے ہوتے ہوئے، بے علم بے عمل، فاسق و فاجر، داڑھی منڈے، تولیت اور اہتمام کے اور دینی سوسائٹی کی قیادت و سیادت کے اہل نہیں ہوسکتے، صحیح حق دار حاملین قرآن و پابند شریعت لوگ ہیں ۔حضرت امام مالک کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کی رہنمائی وہی کر سکتا ہے جس کی زندگی پیغمبر اسلام ﷺ کے اسوہ حسنہ کا نمونہ ہو۔

امام ابن تیمیہ ''کتاب السیاسۃ الشرعیۃ ص:۱۷'' میں فرماتے ہیں:

امت کا اتفاق ہے کہ عالم باعمل مسلمان سیادت و قیادت کا اہل ہے اگر ایسا شخص میسر نہ ہو تو یہ منصب مجبوراً دو شخصوں میں سے ایک کے سپرد کیا جائے گا۔

(۱) عالم فاسق یعنی عالم بے عمل کو (۲) جاہل متقی یعنی بے علم باعمل کو۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ ازالۃ الخفاء (۲/۳۶) عمدۃ المطالع، میں نقل کرتے ہیں۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جماعت میں سے کسی شخص کو عامل بنادیا درآنحالیکہ اسی جماعت میں ایسا شخص موجود ہو جو اللہ کو اس (پہلے شخص) سے زیادہ پسندیدہ ہو تو اس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی خیانت کی۔

فتاوی ابن تیمیہ (۱/۱۵۰) میں ہے۔

لایجوز تولیة الفاسق مع امکان تولیة البر یعنی نیک آدمی کے ملنے کا امکان ہو تو فاسق کو متولی اور سردار بنانا جائز نہیں ہے۔

مکارم الحفظہ (ص:۴۴) میں ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک دفعہ اپنے عاملوں کو لکھا کہ ہمارے کاموں پر سوائے اہل قرآن (حافظ) کے سوا کسی اور کو نہ مقرر کرو۔ عاملوں نے اس کے جواب میں لکھا کہ ہم نے ان کو مقرر کیا لیکن وہ خائن ثابت ہوئے۔ انہوں نے پھر لکھا کہ نہیں، اہل قرآن کے سوا کسی اور کو مقرر نہ کرو۔ اگر ان میں خیر و بہتری نہ ہوگی تو ان کے غیروں میں بدرجہ اولی نہ ہوگی۔

علامہ شامی رحمہ اللہ نے (رد المحتار (۵/۶۶۱) میں ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے۔ خیرهم خیر من خیرهم وشرهم خیر من شر غیرهم یعنی اہل علم کے بھلے آدمی دوسروں کے بھلے آدمیوں سے بہتر ہیں اور ان کے خراب آدمی دوسروں کے خراب لوگوں سے بہتر ہیں۔

مشکوٰۃ (۲/۴۵۹) میں بحوالہ ترمذی ابو ہریرہ کی روایت نقل کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اذا کان امرائکم شرارکم واغنیائکم بخلائکم وامورکم الی نسائکم فبطن الارض خیرلکم من ظهرها یعنی جب تمہارے سردار فاسق ہوں اور تمہارے دولتمند بخیل ہوں اور تمہارے کام عورتوں کے کہنے پر ہوتے ہوں تب تمہارے لئے زمین کا پیٹ (دفن ہوجانا) اس کی پشت (جینے) سے بہتر ہے۔

صحیح بخاری (۱/۱۴) میں ابو ہریرہؓ کی روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا

اذا وُسّد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة یعنی جب اہم امور نااہل کے سپرد ہونے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔

متولی کے فرائض

سوال: متولی صاحب کیلئے کن امور کا انجام دینا ضروری ہے؟ تفصیل سے جواب دیں۔

الجواب: مسجد کی آبادی اور تمام ضروریات کا انتظام کرنا، حساب صاف رکھنا مسجد میں غلط کام نہ ہونے دینا، نمازیوں اور امام کی حسب حیثیت مسجد سے متعلق تکالیف کو رفع کرنا، ہرایک کا اس کی شان کے مطابق شرعی اکرام کرنا، اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر دوسروں کو حقیر نہ سمجھنا، عہدہ کا طالب نہ ہونا، احکام شرع کے تحت اپنی اصلاح میں لگے رہنا، یہ اوصاف جس متولی میں ہوں وہ قابل قدر ہے، اس کو علیحدہ نہ کیا جائے۔ جس متولی میں یہ اوصاف نہ ہوں وہ ان اوصاف کو حاصل کرنے کی سعی کرے۔ فتاویٰ محمودیہ (۱۵/۱۷۱)

بانی مسجد اگر دیانتدار ہو تو وہ متولی مسجد بننے کا زیادہ حقدار ہے

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ بانی مسجد اگر امانت دار اور دیانت دار ہے اور مسجد کے مصالح وغیرہ کا شریعت کے مطابق پوری طرح خیال رکھتا ہے تو وہ متولی بننے کا زیادہ حقدار ہے، اگر وہ تمام شرائط تولیت کا حامل ہو تو اس کی موجودگی میں کسی دوسرے کو تولیت مسجد کا حق حاصل نہیں ہے۔

فی البحر (۲۷۹/۵)عن ابی حنیفة رضی اللّٰہ عنه ان البانی اولی بجمیع مصالح المسجد ونصب الامام والمؤذن اذا تأھل للامامة.

فی الدر (۳۷۹/۴) جعل الواقف الولایة لنفسه جاز بالاجماع وکذا اذا لم یشترط لاحدفالولایة له عند الثانی وھوظاھر الملھب نھر الخ

بانی کے نائب کا حکم

یہی حکم بانی کے لائق اور صالح نائب کا ہے، کہ اگر وہ شرائط تولیت پوری کرتا ہو تو وہ متولی ہونے کا زیادہ حقدار ہے۔

فی الهندية (۲/۴۰۸) وفی الاسعاف لایو لی الا امین قادرسال عمن شرط فی اصل الوقف الولایة لنفسه ولأولاده قال یجوز بالاجماع کذا فی التتارخانية.

بانی کے مقرر کردہ متولی یا وصی کا حکم

اسی طرح اگر بانی یا واقف نے کسی کو متولی یا وصی مقرر کردیا تو اس کی وفات کے بعد وصی تولیت کا زیادہ حقدار ہے بشرطیکہ وہ اس منصب پر فائز ہونے کا اہل ہو۔

فی التتارخانية (۵/۷۴۵) متولی الوقف اذا مات، ان کا ن الواقف حیا فالرأی فی نصب القیم للواقف وان مات القیم بعد موت الواقف، ان اوصی القیم الی وصی فوصیه اولی من القاضی الخ

متولی اور صدر کا خاندان واقف میں سے ہونا

واقف اور بانی کے خاندان کا کوئی فرد شرائط تولیت پوری کرتا ہو اور اس کی صلاحیت رکھتا ہو تو وہ تولیت کا زیادہ حقدار ہے۔

فتاوی محمودیہ (۱۵/۲۰۳) میں ہے۔

واقف کے خاندان کے لوگ متولی اور منتظم ہونے کے زیادہ مستحق ہیں جبکہ ان میں صلاحیت ہو۔

امام اور صدر کے اختیارات کا دائرہ کار

امام اور صدر کمیٹی کے درمیان بسا اوقات اختیارات اور تقسیم امور کے سلسلے میں کشیدگی ہوتی ہے جو بدمزگی اور فساد پر منتج ہوتی ہے، اسلئے دونوں کے اختیارات کا تعین ضروری ہے۔ یہاں تین قسم کے امور ہیں۔

(۱) بعض امور وہ ہیں جو صرف امام ہی سرانجام دے سکتا ہے، کمیٹی یا صدر کا اس میں دخل اندازی کرنا غلط ہے۔ مثلاً امامت، خطابت وغیرہ۔

(۲) بعض وہ امور ہیں جو صرف کمیٹی یا صدر کو سرانجام دینے ہوتے ہیں۔ اگر امام کمیٹی کا فرد نہ ہو تو وہ مداخلت نہیں کرسکتا مثلاً امام، مؤذن اور خادم مسجد کی تنخواہ، امام، مؤذن اور خادم کا تقرر وغیرہ۔

(۳) بعض کام وہ ہیں جو امام بھی سرانجام دے سکتا ہے اور کمیٹی یا اس کا صدر بھی، مثلاً اگر امام حافظ نہیں تو تراویح میں ختم قرآن کے لئے حافظ کا بندوبست جیسے امور، ان کے بارے تفصیل یہ ہے کہ کہ ابتداء ہی سے اصول طے ہونا ضروری ہے کہ کون کون سے امور امام کے دائرہ اختیار میں داخل ہیں اور کون کون سے صدر یا کمیٹی کے دائرہ اختیار میں شامل ہیں۔ جیسے طے ہوجائے اس کے مطابق عمل ضروری ہے، اور اگر طے نہ ہوا ہو اور اختلاف سامنے آجائے تو ایسی صورت میں قرب و جوار کی مساجد کے اصول و قواعد معلوم کرکے ان کے مطابق عمل کیا جائے۔

ایک کمیٹی ہونے کے باوجود امام کا دوسری کمیٹی بنانا

اگر ایک کمیٹی موجود ہو اور وہ انتظامی کام احسن طریقہ سے انجام دے رہی ہو تو اس کی موجودگی میں امام کا دوسری کمیٹی بنانا جائز نہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ امام موصوف کا پہلی کمیٹی سے مزاج نہیں ملتا تو وہ الگ سے اپنی ہم ذہن کمیٹی بنانا شروع کردیتا ہے یہ غلط ہے۔

تولیت میں وراثت

تولیت میں وراثت کا اعتبار نہیں، اہلیت کا اعتبار ہے، اگر کسی مسجد کا صدر یا متولی فوت ہوجائے تو اس کا بیٹا ہی متولی نہ ہوگا، کیونکہ تولیت میں وراثت جاری نہیں ہوتی

،ہاں اگر وہ تولیت کا اہل ہو اور کمیٹی کے ارکان اس کا انتخاب کرلیں تو درست ہے۔

خائن اور کام نہ کرنے والی کمیٹی اور صدر کو ختم کرنا ضروری ہے

اگر مسجد کی کمیٹی یا صدر خیانت کا مرتکب ہو یا مسجد کا انتظام و انصرام سنبھالنے میں کوتاہی کرتا ہو یا غفلت برتتا ہو تو اسے معزول کرنا اور اس کی جگہ صحیح کمیٹی کا انتخاب کرنا ضروری ہے۔

فی الدر (۳۸۰/۴) وینزع وجوبا بزازیة (لو) الواقف درر فغیره بالاولیٰ (غیر مأمون)او عاجزااوظهر به فسق کشرب خمر ونحوه فتح ، اوکا ن یصرف ماله فی الکیمیا الخ

کمیٹی کے ایک فرد کا تنہا مسجد میں تصرف جائز نہیں

کمیٹی میں جتنے افراد شامل ہوں انتظامی معاملات اور ہر قسم کے تصرف میں سب سے اجازت اور مشورہ لینا ضروری ہے، صدر یا کسی ممبر اور رکن کیلئے دوسروں سے مشورہ کے بغیر کوئی تصرف جائز نہیں، یہ کمیٹی بنانے کے بنیادی مقصد کے خلاف ہے۔

فتاوی محمودیہ (۲۰۲/۱۰) میں ہے۔

سوال نمبر۱۶۳: ایک مسجد کے نمازیوں نے مسجد کا نظم پانچ آدمیوں کے سپرد کر رکھا ہے، ان میں زید بھی شامل ہے مگر زید بغیر باقی آدمیوں کے مشورہ کے اپنی رائے سے مسجد میں نظم میں تصرف کرتا رہتا ہے ، خود ہی امام رکھتا ہے، خود ہی کچھ دنوں کے بعد کچھ الزام لگا کر نکال دیتا ہے ۔ایسے ہی تعمیرات کے بارے میں لوگ کچھ کہتے ہیں تو مانتا ہے نہیں ،آپس میں بات بڑھتی ہے ، اس صورت حال کو دس سال ہو چکے ہیں ، شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب : اگر وہاں کے سمجھدار آدمی یہ سمجھتے ہیں کہ زید کے ان تصرفات سے مسجد

کو نقصان پہنچتا ہے تو وہ اس کو ایسے تصرفات سے روک دیں، ہرگز اجازت نہ دیں۔ بغیر پانچ آدمیوں کے وہ تنہا کرنے کا حق دار نہیں۔ حساب بھی صاف رکھنا ضروری ہے اور کوئی کام ایسا نہ کیا جائے جس سے مسجد ویران ہو اور تفرقہ پڑے۔

متولی کا اپنے کو رجسٹر کرالینا جائز نہیں

ایسے واقعات بھی سامنے آتے ہیں کہ متولی یا صدر اپنے آپ کو طویل مدت کیلئے رجسٹرڈ کرالیتا ہے، شرعاً ایسا کرنا جائز نہیں۔ اس میں خیانت خرد برد کے احتمال کے علاوہ اجارہ داری قائم ہوتی ہے۔

فتاوی محمودیہ (۱۶۹/۱۵) میں ہے۔

سوال نمبر ۱۸۵: ایک مسجد کے متولی صاحب ایک عرصہ دراز سے بہ حسن وخوبی مسجد کا کام سرانجام دے رہے تھے، انہوں نے کسی وجوہات سے دوسرے شخص کو متولی بنادیا، جدید متولی نے مسجد کی جگہ میں دوکانیں وغیرہ بنا کر مسجد کی آمدنی میں اضافہ کیا، جدید متولی نے بغیر جماعت کو معلوم کرائے اپنے نام سرکاری طور سے رجسٹری کرالی کہ پانچ سال تک مجھ کو کوئی ہٹا نہیں سکتا ہے، میں ہی مسلمانوں کا صدر اور متولی رہوں گا، متولی صاحب کا اس طرح رجسٹری کرانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قدیم متولی صاحب نے بغیر اہل الرائے کے مشورہ کے خودبخود ہی نئے آدمی کو متولی بنادیا یہ غلطی کی جس کی وجہ سے اب پریشانی ہو رہی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے متعلق کوئی کمیٹی بھی نہیں۔ اب جبکہ جدید متولی صاحب نے اپنے نام رجسٹر کروالی ہے کہ پانچ سال تک مجھے کوئی ہٹا نہیں سکتا تو قانوناً اس کو پختگی حاصل ہوگئی، ان کا اپنے حق میں اس طرح رجسٹری کرالینا اور اپنے صدر اور متولی ہونے کا اختیار حاصل کرلینا شرعاً درست نہیں تھا۔

متولی کا امام کو نوکر سمجھنا غلط ہے۔

اس زمانہ میں کمیٹی کے ارکان اور متولی اور صدر حضرات نے جہاں اور پیچیدگیاں پیدا کی ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ امام وخطیب کو ایک نوکر سمجھا جاتا ہے اور اس کے ساتھ نوکروں والا ہی برتاؤ کیا جاتا ہے۔امامت وخطابت اہم ترین منصب ہے اور اسلامی معاشرے میں امام و خطیب ایک معزز ترین فرد شمار کیا جاتا ہے اس کے ساتھ ایسا برتاؤ بہت غلط ہے۔

فتاوی محمودیہ (۱۵/۱۷۱) میں ایک سوال کے جواب میں ہے:

کہ امام صاحب کا منصب بہت بلند ہے۔متولی صاحب کا امام کو اپنا نوکر سمجھنا اور ذلت آمیز معاملہ کرنا غلط ہے، ناجائز ہے۔

امام مؤذن کا تقرر اہل محلہ کا حق ہے یا بانی کا؟

امام و مؤذن کے تقرر کے بارے آئے دن عموماً اہل محلہ اور بانی وواقف کا اختلاف ہوتا رہتا ہے اور اس سے فتنہ فساد اور جنگ و جدال تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔امام ومؤذن کا تقرر کس کا حق ہے؟ شریعت کی رو سے اس میں کچھ تفصیل ہے۔

(الف) اگر بانی یا واقف نے مسجد بنانے کے بعد اہل محلہ میں سے کسی کو متولی بنالیا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) متولی کو معزول کرنے کا اختیار اپنے پاس نہ رکھا ہو۔اس صورت میں متولی بانی سے اولیٰ ہوگا اور امام ومؤذن کے تقرر کا اختیار اسے حاصل ہوگا۔

(۲) اسے معزول کرنے کا اختیار اپنے پاس رکھا ہو، اس صورت میں پھر امام و مؤذن کے تقرر کا اختیار متولی کے پاس ہے لیکن اگر بانی اس کے ساتھ اتفاق نہ کرے تو متولی کو معزول کرکے اپنی مرضی سے امام و مؤذن رکھ سکتا ہے جس کی تفصیل (ب) میں آتی ہے۔

(ب) واقف یا بانی نے کسی کو متولی نہیں بنایا، ایسی صورت میں بانی اولیٰ ہے۔ تقرر کا حق اس کو حاصل ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ اس کا مقرر کردہ امام یا مؤذن اہل

محلہ کے تجویز کردہ امام ومؤذن سے بہتر ہو یا اس کے برابر ہو۔اور اگر اہل محلہ کا تجویز کردہ امام ومؤذن بہتر ہو تو ایسی صورت میں اہل محلہ کی تجویز کو ترجیح حاصل ہوگی ماخذہ: امداد الاحکام (۲۰۰/۳)

فی الخانیة علی هامش الهندیة (۳۲۶/۳) وذکر محمد رحمه اللّٰه فی السیر انه اذاوقف ضیعة واخرجها الی القیم لا تکون له الولایة بعد ذلک الا ان یشترط الولایة لنفسه .

وفیها (۳۲۸/۳) ایضاً: رجل بنی مسجدا فی سکة فاحتاج الی العمارة فنازعه اهل السکة فی العمارة کان البانی اولیٰ بالعمارة من اهل السکة ولا یکون لاهل السکة منازعة فی ذلک وکذلک لونازعه اهل السکة فی نصب الامام والمؤذن کان ذلک الیه الا اذا عین هو لذلک رجلا وعین اهل السکة رجلا اٰخر اصلح ممن عیّنه البانی فحینئذ لا یکون البانی اولیٰ وکذا فی الخلاصة (۴۲۱/۴) کتاب الوقف، والدر (۴۳۰/۴) والبحر (۲۴۹/۵) .

متولی یا منتظم اپنی رقم مسجد کے اخراجات میں لگا دے تو لے سکتا ہے؟

بسا اوقات مسجد میں رقم کی ضرورت ہوتی ہے اور مسجد فنڈ یا چندہ کی رقم نہیں ہوتی یا فی الحال دستیاب نہیں ہوتی تو صدر یا متولی اپنی ذاتی رقم مسجد میں لگا دیتا ہے۔ پھر اگر اس کی نیت مسجد کا تعاون اور ثواب کا حصول ہو تو واپس نہیں لے سکتا اور اگر اس کی نیت بوقتِ گنجائش واپسی کی تھی تو جب مسجد کیلئے چندہ ہو اور رقم آ جائے تو واپس لے سکتا ہے۔

عزیز الفتاوی (ص:۵۹۶) میں ایک سوال کے جواب میں ہے۔

زید نے اگر بغرض واپس لینے کے مسجد میں اپنا ذاتی روپیہ صرف کیا ہے تو واپس لے سکتا ہے۔

فی رد المحتار (۴۴۰/۴) :

ان الناظر اذا نفق من مال نفسه علی عمارة الوقف لیرجع فی غلة له الرجوع دیانةً و ایضاً فیه اما لو کان فی یده شیء فاشتری للوقف من مال نفسه ینبغی ان یرجع ولو بلا امر قاض الخ

امامت، مؤذنی اور خدمت مسجد میں وراثت نہیں چلتی

فتاوی محمودیہ (۲۱۵/۱۵) میں ہے۔

السوال۲۵۵: قصبہ کی جامع مسجد میں زید کے دادا اور والد بحیثیت مؤذن و امام مقرر تھے، دادا کے اور والد کے انتقال کے بعد زید اس کی جگہ نہ سنبھال سکا لہذا مؤذن و امام دوسرے حضرات مقرر ہوئے البتہ زید کیلئے وہی مراعات جو زید کے دادا اور والد کے لئے اس وقت قصبہ کی طرف سے تھی بحال رہی لیکن اب ساکنان قصبہ زید کی کچھ نازیبا حرکات مثلاً مسجد کے انتظامی امور میں بے جا مداخلت وغیرہ کی بناء پر زید سے متنفر ہیں اور تمام مراعات ختم کرر ہے ہیں، شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

نمبر۲: زید کے دادا اور والد کے لئے جو حجرہ مسجد کی طرف سے تھا، اس میں زید کی اب بھی رہائش ہے، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ اگر ہے تو کیوں؟

نمبر۳: زید کا کہنا ہے کہ حجرہ کی توسیع وتعمیر میں میرے والدین کی رقم خرچ ہوئی ہے۔لہذا اس میں رہائش میرا حق ہے، شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: نمبر۱: مسجد کے کسی خادم (مؤذن، امام) کی اگر خدمت مسجد کی وجہ سے مراعات کی جاتی ہے تو وہ اسی خادم کی ذات بلکہ خدمت تک محدود رہتی ہے اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی کہ خادم کے انتقال کے بعد ورثہ بھی استحقاق کی بناء پر مراعات کا مطالبہ کریں، مراعات نہ کرنے کی وجہ سے ان کو بیجا مداخلت کا کوئی حق نہیں۔

نمبر۲: ''رہائش'' بھی دادا اور والد کو خدمت مسجد کی وجہ سے دی گئی تھی، اب جبکہ خدمت ختم ہوگئی بلکہ خدمت کرنیوالے بھی ختم ہوگئے تو موجودہ اولاد کو بحیثیت وراثت اس کا حق نہیں پہنچے گا۔

نمبر۳: والدین نے جو رقم دی تھی وہ ثواب کیلئے دی تھی جو آخرت میں ملے گا، دنیا میں اپنا اور اپنی اولاد کا حق قائم کرنے کیلئے نہیں دی تھی، ورنہ اپنی مملوکہ زمین میں اپنے روپے سے تعمیر بناتے جیسا کہ دنیا کا قاعدہ ہے، مسجد کی زمین میں مسجد کا حجرہ وسیع کرنے کیلئے روپے نہ دیتے، اگر اس طرح روپیہ دینے کی وجہ سے حق رہائش کو قائم کیا جانے لگے تو جتنے لوگوں نے مسجد میں روپیہ دیا ہے وہ بھی اپنا حق قائم کرنے لگیں گے، پھر وہ مسجد بجائے خانہ خدا ہونے کے خانہ چندہ دھندگان بن جائے گی۔

خادم مسجد ضعیف ہوجائے تو اسے مراعات دینے کا حکم

فتاوی محمودیہ (۲۲۹/۵) میں ہے۔

سوال: ایک مسجد کا ایک قدیم ملازم ہے جو کام کرتے کرتے بوڑھا ہوگیا ہے تھوڑا تھوڑا کام کرتا ہے تو اس کو پوری تنخواہ مسجد سے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: اس کی طاقت کے موافق کام بھی تجویز کردیا جائے، اتنی مراعات کی گنجائش ہے۔

متولی اور صدر مسجد کی رقم کسی کو معاف نہیں کرسکتا

فتاوی محمودیہ (۲۵۷/۱۲) میں ہے۔

سوال: مسجد کے متولی، امام یا مسجد کے کسی خدمتی مؤذن وغیرہ کو مسجد کی بقایا رقم جبکہ مجبور ہو، ادا نہ کرسکتا ہو، معاف کرسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اس کو معاف کرنے کا حق کسی کو نہیں، جو لوگ معاف کرنا چاہتے ہیں وہ چندہ کرکے اس کی طرف سے ادا کریں۔

مساجد پر غیر مسلم انتظامیہ کی تولیت

مسجد کی تولیت کی شرائط دو قسم کی ہیں (۱) شرائط استحباب (۲) شرائط وجوب، شرائط استحباب کئی ہیں جن کی وضاحت آ چکی ہے اور شرائط وجوب چند ہیں (۱) عاقل ہونا (۲) بالغ ہونا، (۳) عادل ہونا (۴) قادر ہونا، مسلمان ہونا شرط استحباب و اولویت ہے۔

بعض غیر مسلم ممالک میں بعض مساجد کی تولیت کافروں کے پاس ہے کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ اس بارے یہ تفصیل ہے کہ فی نفسہ اس کی گنجائش ہے کیونکہ مسلمان ہونا، شرط اولویت ہے البتہ کافر کو وقف اور مساجد کا متولی بنانا کئی مفاسد کا ذریعہ ہے، نیز کافر کی تولیت کا جواز اتفاقی مسئلہ نہیں ہے اس میں اختلاف بھی موجود ہے۔ اسلئے کافر کو متولی بنانے میں یہ تفصیل ناگزیر ہے، کہ مسلمان ملک یا ایسا ملک جس میں مسلمان خاصی تعداد میں موجود ہوں وہاں انہی کی تولیت ضروری ہے، کسی کافر کو متولی بنانا درست نہیں اور خالص کافر ملک میں اگر مسجد یا وقف موجود ہو اور اس کا انتظام چلانے کیلئے کافر کو منتظم بنا دیا جائے تو درست ہے۔

فی قانون العد ل والانصاف (ص: ٦٨) المادة ١٣٥

يشترط لصحة التولية ان يكو ن القيم عاقلابالغا ولا يشترط الحرية والاسلام فالعبد اهل للنظر فی ذاته وكذا الذمی فتصح تولية للنظر علی الوقف

ومثله فی الشامية (٣٨١/٤) وقال الرافعی (ص:٨٤) فی منهوات الانقروية هذا يدل علی ان تولية الذمی صحيحة و ينبغی ان يخص بوقف الذمی فان تولية الذمی علی المسلم حرام لا ينبغی اتباع شرط الواقف فيها.

فی قانون العد ل والانصاف (ص: ٦٨) المادة ١٣٥

يشترط لصحة التولية ان يكو ن القيم عاقلابالغا ولا يشترالحرية والاسلام فالعبد اهل للنظر فی ذاته وكذا الذمی فتصح تولية للنظر علی الوقف

ومثله فی الشامية (٣٨١/٤) وقال الرافعی (ص:٨٤) فی منهوات الانقروية هذا يدل علی ان تولية الذمی صحيحة و ينبغی ان يخص بوقف

الذمی فان تولیة الذمی علی المسلم حرام لا ینبغی اتباع شرط الواقف فیھا.

قدیم مساجد کو محکمہ آثار قدیمہ کا اپنی تحویل میں لینے اور ان میں نماز سے روکنے کا حکم

اس زمانے میں مختلف ممالک میں "تحفظ آثار قدیمہ" کے محکمے قائم ہوئے ہیں، یہ محکمے جہاں دوسرے آثار قدیمہ اپنی تحویل میں لیتے ہیں وہاں قدیمی مساجد کو بھی تحویل میں لے رہے ہیں، بعض ممالک میں ان محکموں نے مساجد کو تحویل میں لے کر ان میں عبادت نماز وغیرہ پر پابندی عائد کردی ہے جیسے ہندوستان وغیرہ۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ یہاں چند امور قابل وضاحت ہیں۔

(۱) محکمہ آثار قدیمہ کا قدیم مساجد کو حفاظت اور مرمت کیلئے اپنی تحویل میں لینا شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ تولیت مسجد کی ایک صورت ہے اگر چہ حکومت مسلمانوں کی نہ ہو نیز محکمہ آثار قدیمہ کے ارکان غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں۔

(۲) مذکورہ محکمے کا قدیمی مساجد کو اپنی تحویل میں لیکر مساجد کو بند کردینا اور نماز پر پابندی لگا دینا، شرعاً اس کی دو صورتیں ہیں۔

(الف) قدیم مسجد اتنی مخدوش اور پرانی ہو چکی ہے کہ گرنے کا خطرہ ہے اور وہاں غیر مسلم کی حکومت ہے، کفار کا ملک ہے، آباد کرنے والے مسلمان موجود نہیں ہیں، ایسی صورت میں مذکورہ محکمہ اسے عارضی طور پر تحویل میں لیکر پابندی لگا سکتی ہے۔

تاہم اگر کسی مسلم ملک یا مسلمانوں نے اسے تعمیر کرنے کی پیشکش کی تو انہیں تعمیر کرنے اور اس میں نماز کی اجازت دینا ضروری ہے۔

(ب) کافر ملک ہے اور وہ مسجد اس قدر مخدوش نہیں ہے گرنے اور منہدم ہونے کا خطرہ موجود نہیں ہے۔

(ج) مسلمانوں کا ملک ہے اور مسجد بالکل مخدوش نہیں، استعمال کے قابل ہے

(د) مسلمانوں کا ملک اور حکومت ہے اور مسجد مکمل مخدوش ہے اور گرنے کا خطرہ ہے۔

ان تینوں صورتوں میں اس میں نماز پر پابندی لگانا جائز نہیں ہے، یہ حکومت کا ظلم اور زیادتی ہے، تمام مسلمانوں پرلازم ہے کہ اس کے خلاف آواز اٹھائیں اور مسجد کو آباد کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔

پہلی اور دوسری صورت میں مسجد قابل استعمال ہے تو اسے کھولے رکھنا ضروری ہے اور تیسری صورت میں وہاں کی حکومت پر اس کی تعمیر نو لازم ہے، اگر وہ کوتاہی کرتی ہے تو مسلمانوں پر اس کی تعمیر و آبادکاری لازم ہے۔

قابل استعمال مساجد میں نماز پر پابندی لگانا جائز نہیں، اس کی کئی وجوہ ہیں۔

(۱) جس جگہ مسجد بن جائے وہ تاقیامت مسجد رہتی ہے، بوسیدہ اور خراب ہونے کے باوجود کسی کی ملکیت میں نہیں آتی۔

في الدر (۳۵۸/۴) ولوخرب ماحو له واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الامام والثاني ابدا الى قيام الساعة وبه يفتي.

(۲) قرآن کریم میں صراحۃً مساجد میں ذکر اللہ سے منع کرنے کی مذمت آئی ہے۔

قال الله تعالىٰ: ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها، سورة البقرة ۱۱۴/۵.

وفي روح المعاني (۳۶۳/۱) وظاهر الآية العموم في كل مانع وفي كل مسجد وخصوص السبب لا يمنعه، وسعى في خرابها اى هدمها وتعطيلها.

(۳) ان میں نماز اور دیگر عبادات پر پابندی لگانا واقف کے بنیادی مقصد کے خلاف ہے۔

بھارت میں پرانی مساجد کی حالتِ زار

بھارت میں 2ہزار سے زائد مساجد بند ہیں ، حکومت ہمارے حوالے کرے ،مفتی اعظم دہلی ۔

کراچی (رپورٹ:ج ر) دہلی کی فتح پور مسجد کے شاہی امام مولانا ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد نقشبندی مجددی (مفتی اعظم دہلی) نے کہا ہے کہ بھارت میں اس وقت دو ہزار سے زائد مساجد بند ہیں ، ہمارا حکومت سے مطالبہ ہے کہ انہیں ہمارے حوالے کیا جائے، جمعہ کے روز جنگ سے خصوصی بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ تقسیم ہندوستان کے بعد سے ہزاروں مساجد بند ہیں، جو آثار قدیمہ کے تحت ہیں، خصوصاً ہریانہ پنجاب یوپی کے علاقوں میں ان مساجد کی حالت بہت خراب ہے ، دیکھ بھال کا کوئی مناسب انتظام نہیں ہے۔ مسلم پرسنل لاء اور ائمہ مساجد مختلف مکاتب فکر کے علماء نے اس سلسلے میں متعدد بار حکومت سے کہا ہے کہ ان مساجد کو مسلم وقف بورڈ کی تحویل میں دیا جائے لیکن ابھی تک حکومت بھارت نے اس پر کچھ نہیں کیا۔

مفتی صاحب نے کہا مسلمانان دہلی نے جمعہ کے روز ایک بار پھر وزیر اعظم من موھن سنگھ سے مطالبہ کیا ہے کہ آثار قدیمہ کے تحت مساجد کو مسلمانوں کے حوالے کیا جائے اور ان میں نماز کی اجازت دی جائے ، انہوں نے کہا کہ بھارت میں اس وقت چھوٹی بڑی دو ہزار سے زائد مساجد اور سو سے زائد جامع مساجد ہیں ، جہاں نماز جمعہ بھی ہوسکتی ہے، تقسیم ہند کے بعد ہریانہ اور پنجاب کے علاقوں سے مسلمان پاکستان چلے گئے، ان علاقوں میں ہندو اور سکھ آگئے جس سے مساجد بند ہوگئیں جبکہ پاکستان سے آنے والے ہندوؤں اور سکھوں کے بعد بھی وہاں ان کی عبادت گاہیں محفوظ ہیں، حکومت پاکستان نے ان کی حفاظت کے ساتھ ساتھ وہاں عبادت کی بھی اجازت دے رکھی ہے، ہمارا کہنا ہے کہ مساجد کو آباد کرنے کیلئے 1955 میں طے کئے گئے معاہدہ پر عمل کیا جائے۔

الباب السادس فی المسائل الشتیٰ

(مسجد کے مختلف مسائل کا بیان)

اہل محلّہ کا مسجد سے پانی بھرنا

اس زمانے میں اس کی ضرورت زیادہ پیش آتی ہے اور اس بارے کثرت سے سوالات آتے رہتے ہیں، آیا اہل محلہ کیلئے مسجد سے پانی بھرنا درست ہے یا نہیں؟

اس بارے اکابرین کے فتاوی میں ایک گونہ اختلاف پایا جاتا ہے۔

امداد الفتاوی (۲/۷۱۵) میں ہے۔

سوال: مسجد کا کنواں متولی مسجد بزعم خود احتیاط و طہارت کیلئے سفید پوش نماز یوں کے سقاء وشرب و وضو غسل کیلئے مخصوص کرتا ہے، کہتا ہے کہ عام اہل محلہ کے گھروں پر لیجانے کیلئے بھی نہیں ہے، عوام کے ظروف جو بھرنے کو لاتے ہیں، پھوڑ دیئے جاتے ہیں؟

الجواب: منع کرنا تو تطہیر و تنظیف مسجد کیلئے جائز ہے جبکہ قریب دوسرا ایسا (کنواں) ہو جس سے عوام کی رفع احتیاج ہو سکے لیکن گھڑے پھوڑ دینا ظلم اور حرام ہے ،اسی طرح اگر دوسرا کوئی کنواں نہ ہو تب بھی منع کرنا حرام ہے۔

فتاوی رحیمیہ (۶/۹) میں ہے۔

سوال: ہماری مسجد میں وضو اور استنجاء کے واسطے پانی کی تکلیف تھی، چند اہل خیر نے ملکر بورنگ کروا کر بجلی کا مشین لگوادیا ہے، اس مشین کو چلا کر مسجد کی ٹینکی بھری جاتی ہے اور مشین (موٹر) کا لائٹ بل مسجد کی آمدنی سے ادا کیا جاتا ہے، محلّہ والے مسجد کی اس

ٹنکی سے اپنے گھروں کے استعمال کیلئے پانی بھر سکتے ہیں یا نہیں؟
الجواب: ٹنکی کا پانی مسجد کیلئے مخصوص ہے، محلہ والوں کو پانی بھرنے کی اجازت دینا صحیح نہیں ہے، باعث نزاع بھی ہے۔
نیز (۱۵۹/۲) میں ہے۔
سوال: ہمارے یہاں مسجد میں ایک کنواں ہے جس کے بانی اور اس کے بعد کے متولی صاحبان رحمت خداوندی میں پہنچ گئے ہیں، ان کی طرف سے اور بانی مسجد کی طرف سے مسجد کے کاموں کے علاوہ دوسری اشیاء میں استعمال کرنے نہ کرنے کے سلسلہ میں موجودہ متولی و منتظم کو معلوم نہیں ہے، تو ایسی حالت میں کنواں عام پبلک (عوام الناس) کے استعمال کی اجازت ہے یا نہیں؟
الجواب: مسجد کی حد میں ہونے کی وجہ سے پہلے دستور کے خلاف اس کنویں کو وقف عام نہیں کر سکتے، دوسری خرابی یہ کہ عورتوں اور بچوں کا ہجوم رہے گا جس سے مسجد کی حرمت باقی نہ رہے گی۔
فتاوی محمودیہ (۴۵۴/۲) میں ہے۔
سوال: ایک شخص اہل محلہ سے کچھ چندہ لیکر اور اپنا زر کثیر خرچ کر کے ایک مسجد تعمیر کرے اور پھر مسجد کی مخصوص ضروریات کیلئے یعنی فقط بوریے تیل لوٹے اور مرمت مسجد کیلئے مکان اور دکان وقف کردی ہے اس کی آمدنی ہمیشہ مذکورہ ضروریات مسجد پر خرچ ہوتی ہے، اہل محلہ تقاضہ کرتے ہیں کہ اس کی آمدنی کو گرم پانی کے مصارف پر خرچ کیا جائے اور صاحب وقف کہتا ہے کہ مذکورہ مخصوص ضروریات کیلئے وقف کیا ہے اس صورت میں کیا حکم ہے؟
علاوہ ازیں یہ بھی دریافت طلب چیز ہے کہ رواج ٹھہر گیا ہے کہ اہل محلہ مسجد میں پانی گرم کرتے ہیں نمازیوں کیلئے، ہر بے نماز اس سے غسل کرتا ہے اور گھروں میں لے جاتے ہیں، بے نماز کا غسل کرنا اور گھر عورتوں اور مردوں کا نمازی ہو یا غیر نمازی ہو گھروں میں لے جائز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً

جب واقف پانی گرم کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ صراحۃً منع کرتا ہے تو نص الواقف کنص الشارع کے ماتحت پانی گرم کرنے میں اس آمدنی کو خرچ کرنا درست نہیں ہے، ہاں اگر واقف اجازت دیدے تو جائز ہے، جولوگ اپنے دام خرچ کر کے نمازیوں کیلئے پانی گرم کرتے ہیں ان کو اختیار ہے کہ وہ کسی بے نماز کو استعمال نہ کرنے دیں نیز کسی کو اپنے گھر نہ لے جانے دیں، جو شخص بلا ان کی اجازت اپنے گھر لے جائے گا گنہگار ہوگا کیونکہ یہ پانی مسجد کے روپے سے گرم نہیں ہوتا بلکہ اہل محلہ خود گرم کرتے ہیں، دارومدار اہل محلہ کی اجازت پر ہے فقط۔

نیز (۱۷۸/۱۵) میں ہے

سوال: ہمارے یہاں مسجد میں جو نل لگا ہوا ہے محلہ کے چھ مکانات کے لوگ اس نل سے اپنی ضروریات کیلئے پانی استعمال کرتے ہیں، اس میں کوئی گناہ تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: اس نل سے اہل محلہ کو پانی لینا درست ہے مگر احتیاط سے استعمال کریں، اگر خراب ہوجائے تو اس کی اصلاح بھی کروایا کریں، یہ بات نہ ہو کہ پانی تو اہل محلہ بھریں اور مرمت مسجد کے ذمہ رہے۔

آپ کے مسائل (۱۴۵/۲) میں ہے۔

سوال: وضو خانے کے نل سے دوکاندار روزانہ پانی لے جاتے ہیں یہ شرعاً جائز ہے؟

جواب: وضو خانے کا پانی وضو کیلئے مخصوص ہے، اس کا لیجانا درست نہیں البتہ اگر اہل محلہ نے یہ رفاہ عامہ کیلئے لگایا ہو اور دوکانداروں کو پانی لے جانے کی اجازت ہو تو جائز ہے۔

تطبیق اور حاصل کلام: یہ ہے کہ مسجد سے اہل محلہ کا پانی بھرنا نہ مطلقاً جائز ہے اور نہ مطلقاً ناجائز ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے۔

(۱) اگر بانی مسجد، کنواں وقف کرنے والے، مشین، موٹر لگانے والے نے اہل محلہ کو پانی بھرنے کی صراحۃً اجازت دی ہے تو ان کا پانی بھرنا درست ہے البتہ مشین موٹر

وغیرہ خراب ہو تو اس کا خرچہ نیز بجلی کا بل ان کو بھی دینا ہوگا۔

(۲) اگر واقف نے انہیں منع کردیا ہے تو پھر وہاں سے پانی بھرنا جائز نہیں، لان شرط الواقف کنص الشارع۔

(۳) واقف کی طرف سے کوئی وضاحت نہیں ہے یا کنواں مشین موٹر ٹنکی، نل وغیرہ کسی ایک کے وقف کردہ نہیں بلکہ مشترکہ خرچہ ہوا ہے یا مسجد کے عمومی فنڈ سے بندوبست کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں چند شرائط کے ساتھ اہل محلہ مسجد سے پانی بھر سکتے ہیں۔

(۱) پانی مسجد کی ضروریات سے زیادہ ہو، اگر کم ہے جس سے صرف مسجد کی ضروریات ہی پوری ہوتی ہیں تو اہل محلہ کا اس سے پانی لے جانا جائز نہیں۔

(۲) مسجد کی انتظامیہ کی طرف سے اجازت ہو اور بوقت ضرورت انتظامیہ کو اس کی اجازت دے بھی دینی چاہئے۔

(۳) محلہ میں قریب پانی دستیاب نہ ہو اور واقعی مجبوری ہو۔

(۴) بجلی بل، موٹر مشین کی، مرمت کنویں کی تعمیر و صفائی وغیرہ میں اہل محلہ تعاون بھی کریں۔

(۵) محض بقدر ضرورت پانی لے جائیں اسراف، تبذیر سے پرہیز کریں۔

(۶) پانی مسجد کی شرعی حدود سے باہر ہو بلکہ بہتر یہ ہے کہ اہل محلہ کیلئے متعلقات مسجد سے بھی باہر نل لگا دیا جائے، مسجد میں کنواں کھودنا اور موٹر مشین وغیرہ لگانا مکروہ ہے۔

(۷) اگر مسجد کی حدود میں ہو تو بچے اور ناپاکی کی حالت میں خواتین نہ آئیں۔

(۸) مسجد اور اس کے اردگرد شوروشغب کی کیفیت پیدا نہ ہو۔

(۹) اوقات نماز کے علاوہ میں پانی بھرنے کی اجازت ہو۔

(۱۰) کسی طرح بھی مسجد کے ادب واحترام کے خلاف کوئی کام نہ ہو۔

مسجد کا گرم پانی گھر لے جانا

فتاویٰ محمودیہ (۴۵۵/۲) میں ہے۔

سوال: ایک شخص نے اپنے پیسے سے مسجد کی تعمیر کی اور اس کی ضروریات مثلاً چٹائی، تیل، لوٹے اور مرمت مسجد کے لئے مکان اور دوکان مسجد کے لئے وقف کردی ہے، اس کی آمدنی ہمیشہ مذکورہ ضروریات مسجد پر خرچ ہوتی ہے، محلہ والے تقاضہ کرتے ہیں کہ اس کی آمدنی کو گرم پانی کے مصارف پر خرچ کیا جائے، بعض جگہ کا رواج ہوگیا ہے کہ اہل محلہ مسجد میں پانی گرم کرتے ہیں نمازیوں کے لئے، ہر بے نمازی اس سے غسل کرتا ہے اور بعض لوگ گھروں میں بھی لیجاتے ہیں، بے نمازی کا غسل کرنا اور اس پانی کو گھروں میں لے جانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جب واقف پانی گرم کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ صراحۃً منع کرتا ہے تو (واقف کے وقف کی آمدنی سے) پانی گرم کرنے میں اس آمدنی کا خرچ کرنا درست نہیں، ہاں اگر واقف اجازت دیدے تو جائز ہے اور جو لوگ اپنے دام خرچ کر کے نمازیوں کے لئے پانی گرم کرتے ہیں ان کو اختیار ہے کہ وہ کسی بے نمازی کو استعمال نہ کرنے دیں نیز کسی کو اپنے گھر نہ لیجانے دیں، اور جو شخص بلا اجازت ان کی اپنے گھر لے جائے گا گناہگار ہوگا کیونکہ یہ پانی مسجد کے روپے سے گرم نہیں ہوتا بلکہ اہلِ محلہ خود گرم کرتے ہیں، اور مدار اہلِ محلہ کی اجازت پر ہے۔

اغلاط العوام (۱۲۱) میں ہے۔ بعض لوگ (مسجد کے) حمام میں سے گرم پانی گھر لے جاتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ آخر یہ پانی اسی واسطے تو ہے کہ وضو کریں، وضو ہی ہم کرتے ہیں، یہ ہماری مرضی ہے خواہ یہاں کریں، خواہ مکان پر کریں، حیرت تو یہ ہے کہ بعض بظاہر دیندار پرہیزگار بھی اس میں مبتلا ہیں۔

مسجد کا گرم پانی بے نمازیوں کو استعمال کرنا یا اس سے کپڑے دھونا جائز نہیں

فتاویٰ محمودیہ (۱۸/۲۰۳) میں ہے۔

جو پانی مسجد میں نمازیوں کے لئے گرم کیا جائے، بے نمازیوں کا اس کو منہ دھونے یا کپڑے دھونے کے لئے استعمال کرنا درست نہیں، بہت بے غیرتی ہے، مکان پر بھی نہ لے جائیں، احاطہ مسجد میں وضو کریں، عشاء کے بعد کا بچا ہوا گرم پانی بھی کسی دوسرے کام میں استعمال نہ کریں، اگرچہ صبح تک وہ پانی ٹھنڈا ہوجائیگا پھر گرم کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔گرم پانی پاکی حاصل کرنے کے لئے ہے، خواہ جسم کی طہارت ہو یا کپڑے کی، پس اگر کپڑے پر نجاست لگ گئی تو غسل کے ساتھ اس کو بھی دھونے کی اجازت ہے، مستقلاً کپڑے اس پانی سے نہ صاف کریں۔اعلیٰ بات تو یہ ہے کہ اپنے گھر سے وضو کر کے آئیں لیکن ہر ایک کیلئے اس کا انتظام آسان نہیں ہے، نیز مسجد میں پانی گرم کرنے اور وضو اور غسل کے نظم کا عرف عام ہو چکا ہے، اس لئے مسجد کی طرف سے انتظام کرنا بھی غلط نہیں بلکہ نمازیوں کی سہولت کا ذریعہ ہے جس سے ان کی نماز اور جماعت کی پابندی ہوتی ہے۔انتھی

واضح رہے کہ تبلیغی جماعت کے مسافر حضرات کو عرفاً کپڑے دھونے کی بھی اجازت ہوتی ہے، اس لئے وہ بلاشبہ گرم پانی سے کپڑے دھو سکتے ہیں۔

مسجد میں چارپائی بچھا کر سونا درست نہیں

یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں

(۱) مسجد میں سونا

(۲) چارپائی بچھانا۔

مسجد میں سونے کا حکم: عام حالات میں مسجد میں سونا مکروہ ہے، اگر ضرورت شدیدہ ہو تو اس کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ اعتکاف کی نیت سے مسجد میں داخل ہوجائے کچھ عبادت کرے پھر سو جائے البتہ معتکف اور مسافر کیلئے مسجد میں سونا بلا کراہت درست ہے۔

فی الدر (۶۶۱/۱) واکل ونوم الا لمعتکف وغریب،

و فی الشامیة (قوله واکل ونوم الخ) واذا اراد ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکراللّٰہ تعالیٰ بقدر ما نوی او یصلی ثم یفعل ما یشاء، فتاوی ھندیة.

واضح رہے کہ اس زمانے میں خاص طور پر شہر کی جامع مساجد میں تحفظ یا احترام مسجد کے پیش نظر انتظامیہ مسجد عموماً مسافر کو بھی مسجد میں ٹھہرنے اور سونے کی اجازت نہیں دیتی اور بہت سی مساجد میں اس کا اعلان لگا ہوتا ہے اور وقت مقررہ پر مسجد کو تالا لگ جاتا ہے، ایسی صورت میں مسافر بھی وہاں نہیں سو سکتا، انتظامیہ کا فیصلہ جائز ہے یہ اسکی خلاف ورزی ہے جو کہ گناہ ہے۔

(۲) مسجد میں چارپائی بچھا کر سونا: یہ صحیح نہیں، اگرچہ معتکف ہو، اس کی وجوہ درج ذیل ہیں۔

(۱) اگر مقیم ہو تو اس کا مسجد میں سونا ویسے ہی مکروہ ہے۔

(۲) مسجد میں چارپائی ڈالنا مسجد کے احترام وادب کے خلاف ہے۔

(۳) عرف میں اسے معیوب تصور کیا جاتا ہے۔

(۴) اس عمل سے لوگوں کے دل سے مسجد کی وقعت نکل جاتی ہے۔

(۵) عوام چارپائی پر قیاس کر کے دوسرے ناجائز امور بھی شروع کر سکتے ہیں۔

(۶) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چارپائی یا بستر وغیرہ ناپاک ہو اور ناپاک چیز کا مسجد میں داخل کرنا اچھا نہیں ہے۔

(۷) احتلام وغیرہ کا احتمال ہوتا ہے، اگر ننگی چارپائی ہو تو تلویث مسجد کا خطرہ ہے اور اگر اس پر بستر وغیرہ ہو تو بھی مسجد میں یوں احتلام ہو جانا درست نہیں۔

فی الھندیة (۳۹۶/۵) ولا یدخل الذی علیٰ بدنہٖ نجاسة المسجد کذا فی خزانة المفتین۔ مسجد سے نکلنے میں دشواری ہوگی۔

(۸) یہ عمل دوسروں کیلئے موجب توحش ہے۔

(۹) بسا اوقات آدمی نیند میں مستغرق ہوتا ہے اور اذان وغیرہ نہ سننے کی وجہ سے سویا رہتا ہے، تمام نمازی آجاتے ہیں، اس کا برا اثر پڑتا ہے۔

احسن الفتاوی (۴۵۳/۶) میں ہے۔

دراصل ادب یا بے ادبی کا مدار عرف پر ہے، ہمارے عرف میں مسجد میں چارپائی بچھانا معیوب سمجھا جاتا ہے نیز اس سے عوام کے قلوب سے مسجد کی وقعت نکل جائے گی، وہ چارپائی پر قیاس کر کے دوسرے ناجائز امور بھی مسجد میں شروع کردیں گے لہذا اب معتکف کیلئے بھی چارپائی بچھانا جائز نہیں۔

فتاوی محمودیہ (۲۲۸/۱۵) میں ہے۔

سوال نمبر ۷۱۱: جس مسجد میں امام کے رہنے کیلئے کمرہ نہ ہوتو وہاں امام سردی گرمی برسات میں چارپائی بچھا کر مسجد میں لیٹ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے احترام کے خلاف اور دوسروں کیلئے موجب توحش ہے، آج کل مسجد میں چارپائی بچھانے کو بے ادبی تصور کیا جاتا ہے، ایسے مسائل میں عرف کا لحاظ، چاہئے۔

امداد الفتاوی (۲۶/۲ے) میں ہے۔

سوال (۸۳۵): کیا رائے ہے اس مسئلہ میں ایک طالب علم نے اتفاقاً نواڑ کا پلنگ اپنی مسجد کے صحن میں جہاں لوگ وضو کیا کرتے ہیں، وہاں پر بچھا دیا اب بعض شخص نے اعتراض کیا کہ جائز نہیں، اب گذارش ہے کہ طالب علم کی معذوری کو دیکھئے کہ کہاں تک ہے، ارشاد فرمایئے کہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: فی نفسہ جائز ہے اگر پاک ہو۔ مگر چونکہ عرفاً یہ خلاف ادب ہے اسلئے مناسب نہیں جیسے جوتے پہن کر مسجد کے اندر چلے جانا۔

ایک اہم وضاحت: حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فتاوی رشیدیہ (۴۱۵) میں مسجد میں چارپائی بچھانے کو درست قرار دیا ہے۔

سوال: مسجد میں چارپائی بچھانی درست ہے یا نہیں؟

جواب: چارپائی مسجد میں بچھانی درست ہے۔

لیکن یہ بات پہلے آچکی کہ یہ مسئلہ عرف پر مبنی ہے، اس وقت اسے بے ادبی تصور نہ کیا جاتا تھا، اسلئے حضرت گنگوہی نے مطلقاً اس کی اجازت دیدی، نامناسب بھی نہ کہا، اس کے بعد حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اسے فی نفسہ جائز فرمایا لیکن ساتھ ساتھ اسے خلاف ادب اور نامناسب قرار دیدیا۔ اس زمانے میں اسے مکمل طور پر خلاف ادب تصور کیا جاتا ہے۔

احسن الفتاوی (۴۵۲/۶) میں فتاوی رشیدیہ کے مذکورہ مسئلے کے بارے ایک استفتاء کے جواب میں، حضرت گنگوہی کے اس قول کی دو توجیہات فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت گنگوہی کا مذکورہ فتویٰ صرف معتکف کے بارے میں ہے، ہر شخص کے بارے نہیں۔ فرماتے ہیں: فتاوی رشیدیہ میں اس سوال کے جواب میں صرف اتنا ہے کہ چارپائی مسجد میں بچھانا درست ہے، مگر نیچے حاشیہ میں مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معتکف کیلئے ہے ونصہ:

جائز است چہ برائے آنحضرت ﷺ در مسجد سریرے نہادہ شدے وبراں درایام اعتکاف آرام می فرمودند کما فی سفر السعادۃ، وابن ماجہ از ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کردہ: ان رسول اللہ ﷺ کان اذا اعتکف طرح لہ فراشہ او یوضع لہ سریرہ.

(۲) ادب اور بے ادبی کا مدار عرف پر ہے، اس زمانے میں چارپائی بچھانے کو معیوب نہ سمجھتے تھے اور اب اسے معیوب سمجھتے ہیں۔

بندہ کے خیال میں حضرت مفتی رشید احمد رحمہ اللہ کی دوسری توجیہ صحیح ہے، پہلی توجیہ تسلی بخش نہیں، کیونکہ فتاوی رشیدیہ میں مذکورہ مسئلہ دو جگہ آیا ہے، ایک صفحہ ۴۱۵ پر جس کا ذکر آچکا ہے، وہ واقعی مطلق ہے اور حاشیہ میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم معتکف کیلئے ہے لیکن یہ مسئلہ صفحہ ۴۱۰ پر بھی موجود ہے جس میں مقیم اور مسافر کا تقابل کیا گیا ہے، اسے معتکف پر محمول کرنا مشکل ہے ونصہ۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین، مسئلہ مفصلہ ذیل میں، مسجد میں واسطے سونے کے مسافر یا مقیم کو چارپائی بچھانا کیسا ہے؟

جواب: مسجد میں چارپائی بچھانا مسافر اور مقیم دونوں کو درست ہے فقط۔

مساجد میں جوتے داں رکھنا

آجکل مساجد میں پاپوش داں یا جوتے داں رکھے جاتے ہیں جن میں لوگ آسانی سے جوتے رکھتے ہیں، شرعاً یہ درست اور اچھی بات ہے تاکہ لوگ مسجد میں متفرق جگہوں پر جوتے نہ رکھیں بلکہ خاص جگہ پر ترتیب اور نظم وضبط سے رکھ سکیں۔

فی الهندية (۱۲۲/۱) ولا بأس بان يتخذ فی المسجد بيتالوضع فيه البواری كذا فی الخلاصة.

مسجد میں جوتیاں رکھنا

اس زمانے میں مساجد کے اندر جوتے رکھنے کا رواج ہوگیا ہے، باہر رکھنے سے چوری ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔اصل حکم تو یہ ہے کہ انہیں باہر رکھا جائے اور اندر لے جانا ضروری ہوتو جوتے داں میں رکھے جائیں، اگر جوتا داں نہ ہوتو مسجد میں بھی ادھر ادھر رکھ سکتے ہیں لیکن انہیں اس طرح رکھے کہ مسجد ملوث نہ ہو، دونوں کو اس طرح ملائے کہ نچلا حصہ ایک دوسرے کی طرف ہوں۔

کفایۃ المفتی (۱۹۳/۳) میں ہے۔

سوال: جوتیاں کس طریقے سے مسجد میں رکھنا جائز ہے اور کس طریقے سے جائز نہیں؟

جواب: (۳۰۶) اگر کوئی ایسی جگہ ہو جہاں جوتیاں رکھی جاسکیں تو جوتیوں کا مسجد میں لے جانا مناسب نہیں اور اگر نہ ہو تو مسجد میں لے جانے کا مضائقہ نہیں لیکن اس طرح رکھے کہ مسجد ملوث نہ ہو۔ **وينبغی لداخله تعاهد نعله وخفه(الدر المختار (۶۵۷/۱) باب مايفسد الصلوٰة وما يكره فيها.**

مسجد میں گیزر رکھنا

مسجد میں پانی گرم کرنے کیلئے گیزر کا بندوبست درست اور باعث اجر وثواب ہے لیکن اس کے بارے دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے (۱) مسجد شرعی کی حدود کے اندر رکھنا جائز نہیں، شرعی حدود سے باہر رکھا جائے۔ غسل خانوں وضو اور استنجاء کی جگہ رکھا جائے (۲) مسجد کے عام فنڈ سے نہ خریدا جائے، یہ مصالح مسجد میں شامل نہیں، ہاں اگر فنڈ بہت زیادہ ہو تو درست ہے۔

ٹھنڈے پانی کی مشین رکھنا

اس کا بھی وہی حکم ہے جو گیزر کا ہے۔

مسجد کے اندر پائیدان رکھنا اور اس سے پیر صاف کرنا

فتاوی رحیمیہ (۳۸/۶) میں ہے۔

سوال: (۱۶۶۱) کتاب "شریعت یا جہالت" کے صفحہ نمبر۵۰۲ پر یہ مسئلہ مرقوم ہے۔

" مسجد میں بوریہ یا ٹاٹ یا گھاس وغیرہ اس واسطے رکھنا کہ لوگ اس سے پاؤں رگڑ لیا کریں تو یہ ائمہ مشائخ کے نزدیک مکروہ ہے"۔ (عین الھدایہ صفحہ۳۲۲ ج ۴)

ہمارے یہاں مساجد کے فرش، دری وغیرہ بڑے پر تکلف اور قیمتی ہوتے ہیں، انہیں گرد وغبار اور پاؤں کی مٹی سے بچانے کیلئے پائیدان رکھا جاتا ہے اور کبھی بوریہ بچھایا جاتا ہے اور اس سے مقصود یہی ہوتا ہے کہ اس سے پیر پونچھ کر فرش پر قدم رکھا جائے آیا یہ مکروہ ہے؟

الجواب: فتاوی عالمگیریہ میں ہے۔ **وان مسح بتراب فی المسجد فان کا ن الترابامجموعاً لا باس به وان کا منبسطا یکرہ وھو المختار وان مسح**

بخشبة موضوعة فی المسجد لا بأس به کذا فی المحیط السرخسی (فتاویٰ عالمگیریہ (ص ٧٠ ج ١)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے مسجد کے فرش کی حفاظت کیلئے مسجد میں پائیدان ،گوڈری اور بوریہ بچھانا اور اس سے پیر پوچھنا درست ہے کہ کبھی پیر بھیگا ہوا ہوتا ہے اور اس سے مسجد کی دری وغیرہ پر دھبہ پڑ جاتا ہے لہذا مسجد میں پائیدان رکھدیا جائے تو عفو ہوگا۔

تطبیق و ترجیح :احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ مسجد میں پائیدان ،بوریہ رکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور اس کا صحیح اور احوط حل یہ ہے کہ اسے خود مسجد میں نہ رکھا جائے بلکہ شرعی حدود سے باہر رکھا جائے ،آجکل عموماً مسجد کی شرعی حدود سے باہر خالی جگہ چھوڑی جاتی ہے اور اگر مسجد میں رکھنا ضروری ہو تو بھی دروازے کے ساتھ رکھنے کی گنجائش ہے البتہ اس کی صفائی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے ۔جن فقہاء مشائخ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے ان کے زمانے میں مسجدیں سادہ ہوتی تھیں ، قالین وغیرہ کا اہتمام نہ تھا نیز اس وقت ایسی چیز رکھنے کو معیوب بھی تصور کیا جاتا تھا اور گھاس وغیرہ رکھنے میں مسجد کی صفائی بھی متاثر ہوتی تھی ،آجکل مساجد میں قیمتی اور خوبصورت قالینوں کا اہتمام ہوتا ہے نیز گھروں بیٹھکوں میں پائیدان کا رواج پڑنے سے مساجد میں رکھنے کو بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا البتہ گھاس وغیرہ مسجد میں رکھنا اب بھی معیوب ہے ،ضرورت اس کے علاوہ سے بھی پوری ہوسکتی ہے اور اس سے صفائی پر بھی اثر پڑتا ہے، اسلئے اس کا رکھنا درست نہیں ہاں باہر رکھ سکتے ہیں ۔

مسجد میں لعاب دانی رکھنے کا حکم

مسجد میں لعاب دانی رکھنا اور اس میں لعاب اور تھوک ڈالنا جائز نہیں ۔

یہ مسجد کے ادب و احترام کے خلاف ہے ،عرف میں اسے بہت معیوب تصور کیا جاتا ہے۔

احسن الفتاویٰ (۴۵۴/۶) میں ہے:

سوال: ایک آدمی بیمار ہے جو مسجد میں جھاڑو دیتا ہے، اس کو بلغم بہت آتا ہے، اگر یہ شخص تھوکنے کیلئے ایک ڈبہ مسجد کے کسی گوشے میں رکھدے اور بوقت ضرورت اس میں تھوکتا رہے پھر اسے باہر پھینک دے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب باسم ملھم الصواب: جائز نہیں۔ وضوخانہ میں تھوک کر پانی بہادے، یہ مشکل ہو تو رومال وغیرہ میں بلغم نکالے اور اس کپڑے کی صفائی کا اہتمام کرے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

واضح رہے کہ فتاویٰ رحیمیہ (۱۲۰/۶) میں چند شرائط کے ساتھ مسجد میں لعاب دانی رکھنے کی اجازت دی ہے۔ ملاحظہ ہو:

سوال (۱۷۰۴): ہماری مسجد میں لعاب دانی (تھوک دانی) رکھی جاتی ہے اور نمازی اس کا استعمال کرتے ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: لعاب دانی (اگالدان) صبح و شام وقتاً فوقتاً صاف کی جاتی ہو، بدبودار نہ رہتی ہو تو مسجد میں رکھ سکتے ہیں، ورنہ اجازت نہ ہوگی۔ مجبوری کے وقت ہی استعمال کی جائے، مجبوری نہ ہو تو باہر جا کر تھوکنا چاہیے یا رومال میں تھوک لینا چاہیے۔

حضرت مفتی لاجپوری رحمہ اللہ نے تین شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے۔

(۱) اسے وقتاً فوقتاً صاف کیا جاتا ہو۔

(۲) وہ بدبودار نہ رہتی ہو۔

(۳) مجبوری ہو۔ اس کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص بالکل معذور ہو اور کسی طرح مسجد لایا گیا ہو ورنہ عام حالات میں کوئی مجبوری نہیں ہوتی، آدمی بڑی آسانی سے باہر جا کر وضوخانہ وغیرہ میں تھوک سکتا ہے، کم از کم کھڑکی وغیرہ سے تھوک سکتا ہے یا رومال میں تھوک سکتا ہے۔

فی صحیح البخاری (۵۸/۱) عن انس بن مالک ان النبی ﷺ رای نخامة فی القبلة فشق ذلک علیه ......ثم اخذ طرف ردائه فبصق فیه ثم

رد بعضه علی بعض فقال أو یفعل هکذا.

اسلئے مسجد میں لعاب دانی رکھنا صحیح نہیں، اس کی وجوہات یہ ہیں۔

(۱) یہ مسجد کے ادب و احترام کے منافی ہے۔

(۲) عرف میں اسے معیوب تصور کیا جاتا ہے۔

(۳) سلف سے نہ اس کا ثبوت ہے اور نہ اس زمانے میں اس کا رواج ہے۔

(۴) بسا اوقات اس کی صفائی میں تاخیر ہوسکتی ہے۔

(۵) بدبو پھیلنے کا خطرہ ہے۔

(۶) دوسرے لوگ دیکھا دیکھی تھوک کے علاوہ نسوار پان وغیرہ اشیاء اس میں پھینکنا شروع کردیں گے۔

مسجد میں پھول کے گملے رکھنا

مسجد کی شرعی حدود سے باہر کیاری میں پھول لگانا یا گملے میں رکھنا درست ہے ،خود مسجد میں صحیح نہیں۔

فتاویٰ محمودیہ (۱/۴۹۰) میں ہے۔

سوال: مسجد میں خوشبو کیلئے پھول وغیرہ لگانا کیسا ہے؟ مولانا محمد مصطفےٰ۔

الجواب: اگر احاطہ مسجد میں کوئی کیاری ہو تو وہاں پھول لگانا یا گملے میں رکھنا خوشبو کیلئے درست ہے۔مگر جو جگہ نماز کیلئے متعین ہے، اس کو پھول کے پودوں سے مشغول نہ کریں۔

مسجد میں روشنی بجلی مٹی کا تیل اور دیا سلائی وغیرہ جلانے کے احکام

مساجد میں روشنی کرنا ایک ضرورت ہے، اس کے بغیر گزارہ ممکن نہیں، اسلئے روشنی کرنا فی نفسہ جائز ہے۔چنانچہ نبی علیہ السلام کے زمانے اور عہد صدیقی میں مساجد

میں روشنی اور چراغ کا انتظام ثابت نہیں لیکن عہد فاروقی میں جب وسعت ہوئی اور بعض صحابہ کرام بیت المقدس میں روشنی کا انتظام دیکھ کر آئے تو حضرت عمرؓ نے مسجد میں متعدد چراغ روشن کرائے اور بقدر ضرورت روشنی کا حکم دیدیااور کئی چراغ اسلئے رکھے کہ مسجد بہت طویل تھی، دو چار چراغوں سے تمام مسجد میں روشنی نہ ہوسکتی تھی۔ فتاوٰی رشیدیہ (صفحہ نمبر ۴۱۲) ۔اسلئے فی نفسہ روشنی بالاتفاق جائز ہے البتہ روشنی کے آلات مختلف ہیں، بعض میں بدبو ہوتی ہے اور بعض میں نہیں ۔ اسلئے اس بارے میں یہ تفصیل ہے کہ جن آلات میں بدبو نہیں ہوتی مثلاً بجلی ،جرمنی کی وہ لالٹینیں جن میں سرسوں کا تیل جلایا جاتا ہے، میٹھا تیل ، کڑوا تیل ،روغن تلخ، وائٹ آئل (مٹی کا تیل بعض جدید مشینوں کے ذریعے اس طرح پاک کردیا جاتا ہے کہ اس کی بدبو زائل ہوجاتی ہے اسے وائٹ آئل کہتے ہیں) موم بتی وغیرہ ، ان اشیاء کا حکم یہ ہے کہ انہیں مساجد میں جلانا اور روشنی کرنا جائز اور درست ہے البتہ چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱) روشنی بقدر ضرورت کی جائے ،ضرورت سے زیادہ روشنی اسراف ہے جوکہ ناجائز ہے خواہ وعظ و جلسہ کا موقعہ ہو یا اس کے علاوہ ۔قرآن مجید میں ارشاد ہے "ان اللہ لا یحب المسرفین"

فتاوٰی رشیدیہ (صفحہ نمبر ۴۰۷) میں ہے۔

الجواب: مساجد کا صاف کرنا تو بہتر ہے مگر روشنی اندازے سے زیادہ کرنا اسراف ہے اور اگر زیادہ روشنی بسبب کثرت آدمیوں کے ہے کہ حاجت ہے تو درست ہے، نیز (ص-۴۱۲) میں ہے، لہذا ہرگز جائز نہیں کہ تراویح میں یا ختم قرآن میں یا وعظ میں قدر حاجت سے زیادہ روشنی کی جائے۔

(۲) بہتر یہ ہے کہ چراغ نمازیوں کے سامنے نہ ہو ، اس میں آتش پرستوں کے ساتھ تشبہ کا شائبہ ہے لیکن یہاں آتش پرست نہ ہونے کی وجہ سے تشبہ نہیں، اسلئے گنجائش ہے نیز مساجد میں روشنی کرنے اور چراغ سامنے ہونے کا رواج ہے، نمازیوں کے وہم و خیال میں بھی اس کی عبادت کا تصور نہیں ہوتا، اسلئے سامنے رکھنا بھی درست

ہے۔

امداد الفتاویٰ (۲/۶۹۵) ہے۔

احتیاط راجح ہے لیکن ضرورت بھی جالب تیسیر ہوتی ہے، اگر اس سے تحرز دشوار ہو گنجائش کا حکم دیا جائے گا اور اگر آسانی سے انتظام ہو جائے تو اختلاف و اشتباہ سے بچنا عزیمت ہے۔

دوسری قسم کی وہ اشیاء ہیں جن میں بدبو ہوتی ہے جیسے مٹی کا تیل دیا سلائی وغیرہ۔اس کا حکم یہ ہے کہ اسے مسجد کے اندر عام حالات میں جلانا صحیح نہیں،اس کی بدبو مسجد میں پھیلتی ہے،حدیث میں پیاز،لہسن وغیرہ کھا کر مسجد آنے سے منع کیا گیا ہے اور ان کی وجہ یہ ہے کہ ان میں بدبو ہوتی ہے جس سے فرشتوں اور نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔اگر بجلی وغیرہ غیر بدبودار روشنی کا انتظام نہ ہو تو تیل وغیرہ سے روشنی کرانے کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) چراغ لالٹین لیمپ وغیرہ مسجد کی شرعی حدود سے اس طرح باہر رکھا جائے کہ اس کی روشنی مسجد میں پہنچ سکے،یہ بلاشبہ درست ہے۔

خیر الفتاویٰ (۲/۷۴۴) میں ہے۔

اگر کوئی اور صورت نہ ہوسکتی ہو تو مٹی کے تیل کا لیمپ مسجد سے باہر رکھا جائے۔اتنا دور کہ روشنی مسجد میں پڑتی رہے۔

فتاویٰ محمودیہ (۱۰/۱۷۳) میں ہے

"اگر مٹی کا تیل مسجد سے باہر رکھا جائے اس طرح کہ بدبو مسجد میں نہ آئے تو درست ہے، اس کی روشنی کا مسجد میں آنا منع نہیں ہے بلکہ بدبو کا آنا منع ہے، چاہے وضو کی جگہ رکھیں چاہے بیرونی دروازہ کی دیوار وغیرہ پر جہاں مناسب سمجھیں رکھ کر جلا سکتے ہیں۔

(۲) تیل کی بدبو چراغ روشن کرتے اور بجھاتے وقت زیادہ ہوتی ہے اگر یہ صورت اختیار کر لی جائے کہ چراغ مسجد سے باہر روشن کرکے مسجد لایا جائے ، فارغ

ہونے کے بعد اسے لے جاکر مسجد سے باہر بجھا دیا جائے تو درست ہے۔

امداد لفتاوی (۶۹۸/۲) میں ہے۔

سوال ... عرض یہ ہے کہ مسجدوں میں چراغ بغیر دیا سلائی جلانے کی کوئی صورت نہیں اور چراغ جلانا بھی ضروری ہے لہذا اس کی کیا صورت ہے؟

الجواب: کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ باہر چراغ روشن کر کے مسجد میں لاکر رکھدیں۔

البتہ دیہاتی علاقوں میں نہ بجلی ہوتی ہے اور نہ غیر بدبودار روشنی کا انتظام ہوتا ہے، بسا اوقات ہوائیں چلتی ہیں، خاص طور پر سرد اور ٹھنڈے علاقوں میں، ایسی صورت میں چراغ نہ مسجد کے باہر رکھ کر روشنی کی جاسکتی ہے اور نہ باہر سے جلا کر لایا جاسکتا ہے، چراغ جلانا اور روشنی کرنا چونکہ ضرورت ہے اسلئے ان حالات میں مسجد میں مٹی کا تیل جلانے اور روشنی کرنے کی اجازت ہوگی۔

امداد الفتاوی (۶۹۸/۲) میں ہے۔

تتمہ سوال: بوجہ ضرورت اس میں گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: جس شخص کو انتظام بالا میں دشواری و تنگی ہو اس کیلئے اجازت ہوسکتی ہے۔

امداد الاحکام (۴۶۱/۱) میں ہے۔

سوال: ہمارے گاؤں کی مسجد بستی سے باہر ہے، وہاں اور کوئی گھر نہیں، اندھیرے میں عشاء کی نماز پڑھ کر گھر آنا بغیر روشنی کے مشکل ہے، برسات میں راستے میں سانپ پڑے رہتے ہیں، ایسی صورت میں مسجد کے اندر مٹی کے تیل کی لالٹین رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بارش کے دن میں تو مسجد کے اندر رکھنے کے سوا کوئی صورت نہیں ہے۔ہاں اگر بارش نہ ہو تو مسجد کی دیوار سے باہر جو حصہ کا چھت ہے اس کی کڑی میں رکھنے کی صورت ہے، ایسی صورت میں جو حکم شرع ہو ارشاد فرمائیں۔

الجواب: عذر کی صورت میں جائز ہے اور یہ صورت عذر کی ہے۔

فی الدر (۶۶۱/۱) واکل نحو ثوم، ویمنع منه . وفی الشامیة (قوله

/

واکل نحو ثوم) ای کبصل ونحوہ مماله رائحة كريهة للحديث الصحيح فی النهی عن قربان اکل الثوم والبصل المسجد ، قال الامام العینی فی شرحه علی صحیح البخاری ، قلت ،علة النهی اذی الملائکة واذی المسلمين..... ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة ماكولا وغيره الخ .

مساجد میں آگ جلانا

ٹھنڈے علاقوں اور دیہاتوں میں عموماً مساجد میں آگ جلانے کی جگہ بنائی جاتی ہے اورلوگ نمازوں کے اوقات میں وہاں بیٹھ کر آگ سینکتے ہیں ،شرعاً اس کی دوصورتیں ہیں۔

(۱) مسجد کی شرعی حدود سے باہر کسی کمرہ وغیرہ میں جگہ بنائی جائے اور اس میں آگ جلانے کا انتظام ہو، یہ شرعاً درست ہے،ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔

(۲) مسجد کی شرعی حدود کے اندر جگہ بنا کر آگ جلائی جائے جیسا کہ پہاڑی علاقوں میں ہوتا ہے، یہ صورت شرعاً جائز نہیں ،اس سے احتراز ضروری ہے ،اس میں کئی مفاسد ہیں۔

(۱) مسجد کی بے حرمتی۔
(۲) دھویں سے مسجد کی صفائی متاثر ہوتی ہے۔
(۳) مسجد کی اشیاء جلنے کا خطرہ ہوتا ہے۔
(۴) لوگ وہاں بیٹھ کر گپیں لگاتے اور دنیاوی باتوں میں مصروف ہوتے ہیں
(۵) بعض لکڑیوں کے جلانے سے بدبو پھوٹتی ہے۔

فی الهندية (۳۹۷/۵) الجلوس فی المسجد للحديث لايباح بالاتفاق لان المسجد ما بنى لامور الدنيا.

مسجد میں ٹہلنا

شہروں اور زیادہ آبادی والے علاقوں مین ہجوم کی وجہ سے باہر جانے میں مشکل ہوتی ہے، اس لئے دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ مسجد میں ٹہلتے اور چہل قدمی کرتے ہیں یہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

امداد الفتاوی (۶۹۷/۲) میں ہے۔

سوال: ۸۰۷: مسجد کے اندر ٹہلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد میں عمل غیر موضوع لہٗ المسجد کرنا قصداً و اعتیاداً نا جائز ہے اور یہ شی بھی ایسی ہی ہے لہذا منع کیا جائیگا۔

یہ حکم مستقل طور پر ٹہلنے کا ہے، اگر مسجد نماز پڑھنے کے لئے آیا ہے اور جماعت کھڑی ہونے میں وقت ہے، اسے سستی لاحق ہونے اور نیند آنے کا خطرہ ہے یا کوئی اور ضرورت ہے تو ٹہل سکتا ہے۔

فتاوی محمودیہ (۴۸۴/۱) میں ہے۔

اگر جماعت کا وقت قریب ہواور نیند کا اثر ہو جس سے یہ خیال ہو کہ ایک جگہ بیٹھ کر انتظار کرنے سے نیند آجائیگی یا اس قسم کی کوئی اور ضرورت ہو تو مسجد میں ٹہلنے میں مضایقہ نہیں ۔ لیکن مستقلاً ٹہلنے کیلئے مسجد کو تجویز کرنا بعد فجر ہو یا بعد عصر یا کسی اور وقت، مسجد کی غایت اور وضع کے خلاف ہے۔

مسجد میں کپڑے سکھانا

احسن الفتاوی (۴۴۵/۶) میں ہے۔

سوال: کپڑے دھو کر مسجد کے صحن یا دیوار پر سکھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم ملهم الصواب: مسجد کے صحن یا دیوار پر کپڑے سکھانا جائز

نہیں مؤذن اور خادم وغیرہ کیلئے اگر کوئی دوسری جگہ کپڑے سکھانے کی نہ ہو تو مسجد سے باہر ملحق جگہ میں سکھا سکتے ہیں۔

مسجد میں روضہ اقدس یا کعبہ کی تصویر لگانے کا حکم

فتاوی محمودیہ (۲۵۹/۱۲) میں ہے۔

سوال: ۲۶۳: حضور اقدس ﷺ کے روضہ مبارک کی تصویر مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ خانہ کعبہ کی تصویر مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: لگا سکتے ہیں مگر سامنے نہ لگائیں، جس سے نمازیوں کی نظر اس پر جائے اونچائی پر لگائیں۔

محراب میں آفتاب کی تصویر بنانا

فتاوی رحیمیہ (۲۶۹/۲) میں ہے۔

سوال: ہمارے گاؤں میں ایک نئی مسجد بنائی گئی ہے، محراب میں نقش و نگار اور آفتاب کی تصویر بنائی ہے، اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو حرج ہے یا نہیں؟ اگر حرج نہیں تو آفتاب پرستی اور بت پرستی میں کیا فرق ہے؟ لہذا جواب مع حوالہ عنایت فرمائیں کہ محراب میں ایسی تصویر بنانا کیسا ہے؟

الجواب: محراب میں نقش ونگار اور آفتاب کی تصویر (فوٹو) بنانا منع اور مکروہ ہے کہ اس سے نمازی کے خشوع خضوع میں خلل آتا ہے لیکن آفتاب کی تصویر کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو آفتاب پرستی کے مشابہ و مماثل قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ پرستش آفتاب کی تصویر کی نہیں ہوا کرتی بلکہ اس کی ذات کی ہوتی ہے، دونوں میں بیّن فرق ہے

فی الدر (۶۴۹/۱) او لغیر ذی روح لا یکرہ لانھا لاتعبد و فی الشامیۃ (قولہ لغیر ذی روح)لقول ابن عباس للسائل ، " فان کنت لابد فاعلا

فاصنع الشجر وما لا نفس له رواه الشيخان ، ولا فرق في الشجر بين المثمر وغيره خلافا لمجاهد بحر، (قوله لانها لا تعبد) اى هذه المذكورات وحينئذ فلا يحصل التشبه ، فان قيل عبدالشمس والقمر والكواكب والشجرة الخضراء قلنا عبدعينه لا تمثاله فعلى هذا ينبغي ان يكره استقبال عين هذه الاشياء معراج : اى لانها عين ما عبد بخلاف ما لوصورها واستقبل صورتها.

مسجد میں تصویر کشی سی ڈی اور ویڈیو بنانے کا حکم

آجکل مساجد میں جلسوں کے دوران مقررین اور علماء کی تصویریں کھینچی جاتی ہیں، کسی کا مقصد تصویر کو اپنے پاس رکھنا ہوتا ہے اور کسی کا مقصد اخبار میں لگا کر جلسہ کی تشہیر ہوتا ہے۔ یہ بلاشبہ ناجائز اور حرام ہے اور سی ڈی اور ویڈیو وغیرہ بنانے کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ تصویر ہے یا نہیں؟ ۔اس میں اختلاف موجود ہے، حتمی فیصلہ سامنے نہیں آیا، راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عکس کے حکم میں ہے تصویر نہیں ۔اسلئے فی نفسہ جائز اور اپنے پروگرام کا ویڈیو کیسٹ اور سی ڈی بنانا درست ہے، البتہ مسجد میں ایسے آلات لیجانا اور انہیں نصب کرنا مسجد کے ادب و احترام کے خلاف ہے،اسلئے مسجد میں اس سے احتراز ضروری ہے اور اگر آلات مسجد کی شرعی حدود سے باہر رکھ کر بنائی جائے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

فی تکملة فتح الملهم (۱۶۴/۴) اما الصورة اللتى ليس لها ثبات واستقرار وليست منقوشة على شئى بصفة دائمة فانها بالظل اشبه منها بالصورة ويبدوان صورة التلفزيون والفيد ولا تستقر على شئى فى مرحلة من المراحل الا اذا كان فى صورة "فيلم" فان كانت صورالانسان حية بحيث تبدو على الشاشة فى نفس الوقت الذى يظهر فيه الانسان امام الكيمراء فان الصورةلاتستقر على الكيمراء ولا على الشاشة وانما هى اجزاء كهربائية تنتقل من الكيمراء الى الشاشة وتظهر عليها بترتيبها الا صلى ثم تفنى وتزول

وربما اذا احتفظ بالصورة فی شریط الفید یوفان الصورة لا تنقش علی الشریط وانما تحفظ منها الا جزاء الکهربائیة التی لیس فیها صورة فاذا ظهرت هذه الاجزاء علی الشاشة ظهرت مرة اخری بذلک الترتیب الطبیعی ولکن لیس لها ثبات ولااستقرار علی الشاشة وانما تظهر وتفنی فلا یبدوان هناک مرحلة من المراحل تنقش فیها الصورة علی شئی بصفة مستقرة او دائمة وعلی هذا ،تنزیل هذه الصورة منزلة الصورة المستقره مشکل.

مسجد میں انگریزی پڑھنا

اس بارے میں یہ تفصیل ہے کہ مسجد کے حجرے وغیرہ میں انگریزی پڑھنا پڑھانا جائز ہے خواہ نیت کوئی بھی ہو، بشرطیکہ مسجد کی بجلی وغیرہ کا مزید استعمال نہ کیا جائے ۔ماخذہ: احسن الفتاوی (۴۵۹/۶) اور خود مسجد میں انگریزی پڑھنے میں یہ تفصیل ہے کہ دنیاوی غرض سے مسجد میں انگریزی پڑھنا جائز نہیں، یہ مسجد کے مقصد کے خلاف ہے ۔دنیاوی غرض سے مراد یہ ہے کہ جیسے عصری تعلیمی اداروں میں انگریزی پڑھی پڑھائی جاتی ہے، کسی کا مقصد ڈاکٹر اور کسی کا مقصد انجینئر وغیرہ بننا ہے اور اگر انگریزی سیکھنے کا مقصد خدمت دین ہے جیسے مدارس عربیہ میں پڑھائی جاتی ہے، اس میں بھی اصل یہی ہے کہ بلاضرورت مسجد میں نہ پڑھی جائے تاہم اگر ضرورت ہو، الگ سے درسگاہ موجود نہ ہو یا تکرار و مطالعہ مسجد میں ہوتا ہو تو ایسی صورت میں مسجد میں بیٹھ کر انگریزی پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ کتاب جاندار اشیاء کی تصاویر پر مشتمل نہ ہو ،اگر جاندار اشیاء کی تصاویر بھی اس میں ہوں تو اسے مسجد لانا اور وہاں پڑھنا جائز نہیں ۔کما فی خیر الفتاوی (۲۷/۲)

مسجد میں اخبار پڑھنا

اسی مقصد کیلئے مسجد جانا اور اخبار لے جاکر پڑھنا صحیح نہیں اور نماز وغیرہ عبادت

کیلئے جاکر مسجد میں اخبار پڑھنے میں تفصیل ہے کہ دینی رسالہ و اخبار کہ جس میں تصویر نہیں ہوتیں ان کا پڑھنا صحیح ہے،اور جن اخبار ورسائل میں تصاویر ہوتی ہیں جیسا کہ آجکل کے عمومی اخبار ہیں، ان کا مسجد لے جانا اور وہاں پڑھنا جائز نہیں ۔

مسجد میں ملکی حالات پر تبصرہ کرنا

اس کی دوصورتیں ہیں :

(۱) وعظ ونصیحت کے ضمن میں عبرت وموعظت کی غرض سے کچھ ملکی حالات پر تبصرہ کیا جائے ، یہ جائز ہے بلکہ ارباب حل وعقد کی طرف سے کبھی ایسی باتیں سرزد ہوتی ہیں جوخلاف شرع ہوتی ہیں، خطباء اور ائمہ کوان پر تبصرہ کرنا چاہیے البتہ اس کی کچھ شرائط ہیں :

(۱) مقصد شریعت و دین کا دفاع ہو، دل کی بڑھاس نکالنا مقصود نہ ہو۔

(۲) کسی کی غیبت نہ ہو، جس نے خلاف شریعت بات کی ہے ،اس سے لوگوں کو آگاہ کرنا درست ہے،اس پر غیبت کی وعید صادق نہیں آتی ۔

(۳) کسی کی توہین نہ ہو۔

(۴) کسی سے استہزاء نہ ہو۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مستقل طور پر ملکی حالات سنانے اور ان پر تبصرہ کرنے کیلئے مسجد میں لوگ اکٹھے ہوں اور اسی کیلئے مجلس قائم ہو، یہ جائز نہیں ہے۔

مسجد میں لائبریری اور کتب خانہ بنانا

مسجد میں لائبریری اور کتب خانہ بنانا درست ہے ، بلکہ اس کی ضرورت ہے، بنانا چاہیے البتہ اس بارے میں چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے ۔

(۱) کتب خانہ میں دینی کتب رکھی جائیں ،دنیاوی اور عصری علوم کی کتب اس

شرط پر رکھ سکتے ہیں کہ ان میں تصاویر نہ ہوں نیز ان کی ضرورت بھی پڑتی ہو۔
(۲) کتب خانے اور کتب کی صفائی اور نظافت کا مکمل خیال رکھا جائے۔
(۳) کتب خانہ کے لئے اصول وضع کئے جائیں کہ کتاب باہر کسی کو پڑھنے دی جاسکتی ہے یا نہیں؟
(۴) جو کتب مسجد کیلئے وقف ہوں انہیں گھر لے جانا جائز نہیں۔
(۵) ان سے استفادہ اور پڑھنے کا موقعہ دیا جائے، اس کے لئے وقت مقرر کیا جائے۔
(۶) متولی کا فرض ہے کہ ان کتابوں کی پوری حفاظت کرے اور کیڑوں کی خوراک نہ بننے دے۔

تقریر و تلاوت ریکارڈ کرنے کیلئے مسجد کی بجلی کا صرف کرنا

آجکل مساجد میں عموماً جو دینی جلسے ہوتے ہیں، علماء کرام کی تقاریر ریکارڈ کرنے کیلئے مسجد کی بجلی استعمال کی جاتی ہے، کیا یہ شرعاً درست ہے؟ اس کی دو صورتیں ہیں
(۱) مسجد کی انتظامیہ کی طرف سے اس کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو تو جائز ہے عموماً اس کی اجازت ہوتی ہے اور خرچہ بھی اتنا زیادہ نہیں ہوتا۔ جلسہ کے دوران کسی کا یوں بجلی کا استعمال کرنا اور انتظامیہ کا خاموش رہنا اجازت ہی ہے۔
(۲) مسجد کی انتظامیہ کی طرف سے اس کی اجازت نہ ہو، بلکہ منع کر دیا ہو تو پھر بجلی صرف کرنا جائز نہیں، گناہ ہے اور اگر استعمال کر لی تو اندازہ کر کے مسجد کو اس بجلی کا معاوضہ ادا کر دے۔

مخصوص رات میں محکمہ کی اجازت کے بغیر مسجد میں بجلی استعمال کرنا

نظام الفتاوی (۳۰۴/۱) میں ہے۔

سرکاری لائن سے بغیر اجازت بجلی آفس سے لائن لیکر مسجد میں شب قدر کے دن روشنی کرنا کیسا ہے کیا یہ چوری ہے؟ اگر ہے تو کیا اس قسم کی روشنی کرنے کا گناہ ہوگا؟

الجواب: ہاں ایسا کرنا چوری ہے، ناجائز ہے اور اس قسم کی روشنی کرنے کا گناہ ان لوگوں پر ہوگا جنہوں نے ایسا کیا ہے، خواہ مسجد کی کمیٹی نے ایسا کیا ہو یا کسی دوسرے شخص نے ایسا کیا ہو، سب برابر ہے اور اس گناہ سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اندازہ کرکے جتنی بجلی خرچ ہوئی ہو اتنی بجلی کا پیسہ کسی حیلہ سے محکمہ کو دیدیں۔

مسجد میں پھلدار سایہ دار درخت لگانا

دیہات کی مساجد میں آجکل درخت لگانے کا رواج ہے جس کا مقصد سایہ حاصل کرنا ہوتا ہے، اس میں چونکہ مسجد کا فائدہ ہے، اسلئے درست بلکہ کارثواب ہے۔

فی الدر(۱/ ٦٦٠) وغرس الاشجار الا لنفع کتقلیل نز، و فی الشامیة : قال فی الخلاصة : غرس الأشجار فی المسجد لا باس به اذا کان فیه نفع للمسجد بان کان المسجد ذا نزوالاسطوانات لا تستقر بدونها وبدون هذالایجوز. وفی الهندیة عن الغرائب ان کا ن لنفع الناس بظله ولا یضیق علی الناس ولا یفرق الصفوف لاباس به الخ.

اور اگر درخت پھلدار ہو تو اس کے پھل فروخت کرکے رقم مسجد کے مصالح پر خرچ کی جائیگی، نمازیوں کا کھانا جائز نہیں، ہاں اگر کسی نے درخت لگایا ہی نمازیوں کے کھانے کیلئے ہے اور ساتھ سایہ بھی مقصود ہے تو نمازی کھا سکتے ہیں۔

فتاوی رشیدیہ (ص:۴۱۴) میں ہے۔

سوال: اگر مسجد میں امرود کا درخت ہو اس کو نمازی استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: جو درخت کسی نے نمازیوں کے کھانے کو لگایا ہو، اس میں سے کھانا

درست ہے۔انتھی۔

اور اگر لگانے والے بانی نے نمازیوں کی نیت نہیں کی تو پھلوں کا حقدار وہ خود ہے۔

مسجد کا نقشہ غیر مسلم سے تیار کرانا

مساجد سے متعلق جو خدمات ہوں ،وہ مسلمانوں سے لینا بہتر ہیں،خاص کر جب اندیشہ ہوکہ اگر غیر مسلم سے خدمات لی گئیں تو آئندہ مسلمانوں پر احسان جتلائیں گے،یا کوئی دینی مفسدہ ہو،ہاں اگر مسلمان انجینئر یا آرکیٹکٹ (ماہر تعمیرات)استطاعت سے زائد حق الحت طلب کرتا ہواور غیر مسلم مناسب اجرت پر کام کے لئے تیار ہوتو اس صورت میں اس سے یہ خدمت لینا درست ہے، کیونکہ اسے خدمت کا مناسب معاوضہ دیا جارہا ہے ،اس اعتبار سے وہ ملازم ہے ،آئندہ مسلمانوں پر احسان جتلانے کا احتمال نہ رہے گا۔مأخذہ: فتاوٰی رحیمیہ (۲۳۲/۱۰) وامداد الفتاوٰی (۲۹۰/۲)

مسلمان انجینئر کیلئے غیر مسلموں کے عبادت خانوں کا ڈیزائن اور نقشہ تیار کرنا

فقہی مقالات (۲۶۶/۱) میں ہے:

سوال: اگر کوئی مسلمان انجینئر کسی کمپنی میں ملازم ہو،جہاں اس کو مختلف عمارتوں کی تعمیر کے لئے نقشے تیار کرنے کا کام سپرد ہو جس میں نصارٰی کے چرچ اور عبادت گاہ کے لئے نقشے تیار کرنے کا کام بھی شامل ہے،اور چرچ وغیرہ کے نقشے بنانے سے انکار کی صورت میں اسے ملازمت چھوٹ جانے کا اندیشہ ہوتو کیا اس مسلمان انجینئر کے لئے نصارٰی کی عبادت گاہوں کی تعمیر کے لئے نقشے تیار کرنا جائز ہے؟

جواب: مسلمان انجینئر کے لئے کافروں کی عبادت گاہوں کے نقشے اور ڈیزائن تیار کرنا جائز نہیں ،اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وتعاونوا علی البر والتقوی ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان"

"اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت ومدد کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو" (سورۃ المائدہ:۲)

مسجد سے چڑیوں کے گھونسلے اتارنے کا حکم

دیہات اور گاؤں کی مساجد میں چڑیاں چھتوں، روشندانوں وغیرہ پر گھونسلے بنادیتی ہیں جس کی وجہ سے مسجد کی صفائی متاثر ہوتی ہے، کیا ایسے گھونسلوں کو اتارنا جائز ہے؟ اس بارے تفصیل یہ ہے کہ اگر ان کی وجہ سے مسجد کی صفائی متاثر نہ ہوتی ہو اور مسجد میں شوروشغب بھی نہ بنتا ہو مثلاً گھونسلے صحن یا بیرونی حصے میں ہوں تو انہیں اتارنا نہیں چاہیے اور اگر صفائی متاثر ہوتی ہو یا مسجد میں شوروشغب بنتا ہو تو ایسی صورت میں پرندوں کو ابتداء ہی سے گھونسلے بنانے کا موقعہ نہ دیا جائے، اگر وہ بنائیں تو خراب کردینا چاہیے، تاہم اگر انہوں نے بناڈالے تو مسجد کی حرمت، صفائی اور طہارت مقدم ہے، اسلئے انہیں انڈوں یا بچوں سمیت اتارنا بھی جائز ہے۔

فی الھندیة (۳۹۶/۵) ولوکان فی المسجد عش خطاف اوخفاش یقذر المسجد لا بأس برمیه بمافیه من الفراخ کذا فی الملتقط.

نسوار سگریٹ اور حقہ پی کر مسجد جانا مکروہ ہے۔

نسوار سگریٹ اور حقہ کا استعمال اچھا عمل نہیں، ان سے احتراز ضروری ہے، یہ چیزیں استعمال کرکے مسجد جانا مکروہ تحریمی ہے، ان کی وجہ سے منہ میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے، جس سے دوسرے نمازیوں اور فرشتوں کو تکلیف وایذاء ہوتی ہے، اسلئے پہلے منہ صاف کرکے مسجد جانا ضروری ہے۔

چنانچہ حدیث میں لہسن اور پیاز کھا کر مسجد جانے سے منع کیا گیا ہے۔

عن معاوية بن قرة عن ابيه ان رسول الله ﷺ نهى عن هاتين الشجرتين يعني البصل والثوم وقال من اكلهما فلا يقربن مسجدنا وقال ان كنتم لا بد آكليها فاميتوها طبخا رواه ابوداؤد.

مسجد میں نقش و نگار بنانے کا حکم

مسجد کی آبادی دو طرح کی ہے۔
(۱) تعمیر و نقش و نگار کے لحاظ سے آبادی
(۲) عبادت نماز تلاوت اور ذکر و اذکار کے لحاظ سے آبادی

ان میں سے حقیقی آبادی عبادت والی آبادی ہے، یہی مقصود ہے اور قرآن وسنت میں اس کی تاکید آئی ہے، تعمیر کے لحاظ سے جو آبادی ضروری ہے وہ اس قدر ہے کہ مسجد کی عمارت مضبوط اور نفیس ہو مگر سادہ ہو۔ نقش و نگار، گل کاری اور بیل بوٹے تعمیر کا حصہ نہیں، بلکہ ان کا وجود بسا اوقات اصل آبادی یعنی نماز وغیرہ میں مخل ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں اسے قوم کے اعمال بگڑنے کی دلیل اور علامت قرار دیا ہے۔

في سنن ابن ماجة (ص: ۵۴) عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ماساء عمل قوم قط الا زخرفوا مساجدهم.

یعنی کسی بھی قوم کی عملی حالت نہیں بگڑی مگر انہوں نے اپنی مساجد کی ظاہری سجاوٹ کی۔

دوسری روایت میں اسے قیامت کی نشانی قرار دیا ہے۔

في سنن ابن ماجة (ص: ۵۴) عن انس بن مالکؓ رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ لا تقوم الساعة حتى يتباهى الناس في المساجد ورواه ابو داؤد ايضا (۱/۷۱)

یعنی قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ لوگ اپنی مساجد کی بڑائی اور شان و

شوکت کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانے میں اور حضرت ابو بکر وعمر فاروق کی خلافت کے دور مسعود تک مسجد نبوی بالکل سادہ تھی ۔حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں توسیع کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے توسیع تو فرمائی لیکن تزیین اور نقش ونگار نہ فرمایا

فی صحیح البخاری (۱/۶۴) باب بنیان المسجد ،قال ابو سعید کان سقف المسجد من جرید النخل وامر عمر ببناء المسجد وقال اکن الناسَ من المطر وایاک ان تحمر او تصفر فتفتن الناس .

حضرت عمرؓ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ میں لوگوں کو بارش سے چھپاتا ہوں (کیونکہ پہلے مسجد کی چھت کھجوروں کی تھی) یہ ہرگز نہ ہو کہ مساجد کو سرخ یا زرد کر کے لوگوں کو فتنہ میں ڈال دیا جائے۔

جب حضرت عثمانؓ کا دور آیا تو مالی حالت اچھی ہو چکی تھی ،بہت خوشحالی کا دور تھا، آپ کے زمانے میں بڑے عمدہ اور اچھے قسم کے محل تعمیر ہوئے ۔آپ نے دیکھا کہ لوگوں کے محل اور گھر اس شان سے تعمیر ہوتے ہیں ، اگر زمانے کی رعایت کرتے ہوئے مسجد نبوی کو اس طرح تعمیر نہ کیا جائے تو ہوسکتا ہے کہ لوگ اسے نظر حقارت سے دیکھیں اسلئے آپ نے مسجد نئی شان سے پختہ تعمیر کی اور اس حوالے سے بڑا اہتمام کیا اور اس کے ساتھ حد اعتدال میں رہتے ہوئے نفاست اور خوبصورتی میں بھی اضافہ ضرور فرمایا لیکن نقش و نگار بیل بوٹوں اور گل کاری زیادہ نہیں کی ۔ روایت میں آتا ہے کہ صحابہ کرام اس تھوڑی خوبصورتی پر بھی ناخوش ہوئے ، اس کے بعد بنو امیہ کے دور حکومت میں ولید بن عبدالملک نے مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت نقش و نگار ،بیل بوٹوں اور گل کاری میں دل کھول کر بے حد اضافہ کیا، جب ولید بن عبدالملک معائنہ کیلئے گئے تو وہاں حضرت عثمانؓ کے فرزند موجود تھے ، ولید نے ان سے کہا: آپ کے والد کی تعمیر کردہ مسجد اور اس مسجد میں کیا فرق ہے؟ صاحبزادے نے جواب دیا کہ میرے والد کی تعمیر کردہ مسجد تھی اور آپ کی یہ تعمیر یہود و نصاری کے کلیسا اور گرجا کی طرح ہے۔(جذب القلوب فارسی ص:۱۲۰)

تاہم اسی وقت سے مساجد کی تزئین و آرائش شروع ہوئی ہے اور علماء کرام نے

زمانہ کے مطابق چند شرائط کے ساتھ مساجد کو خوبصورت اور پررونق بنانیکی اجازت دی ہے۔مقصد محض یہی ہے کہ عام محلات، کوٹھیوں اور مکانات میں غیر معمولی تکلفات کئے جاتے ہیں ۔اگر مساجد کو یوں سادہ رہنے دیا جائے اور گارے اینٹ پر اکتفاء کیا جائے تو لوگ مساجد کو حقیر سمجھیں گے اور ان کے عقائد و نظریات خراب ہوسکتے ہیں ، اب نقش و نگار کے بارے میں یہ تفصیل ہے۔

(ا) مسجد کے وقف مال سے مسجد کی تزیین اور نقش و نگار جائز نہیں ہے۔
اگر مسجد کا مال لگایا تو متولی ضامن ہوگا۔

(۲) کوئی شخص اپنی ذاتی رقم سے مسجد کی تزیین و آرائش کرتا ہے تو اس کی صورتیں یہ ہیں۔

(ا) مسجد کی بیرونی دیواروں پر نقش و نگار جائز ہے۔
(۲) مسجد کے اندرونی حصے میں چھت اور عقبی حصے پر بھی درست ہے۔
(۳) محراب اور قبلہ کی دیوار پر مکروہ ہے۔نمازیوں کی نظر ان پر پڑے گی اور خیال منتشر ہوگا۔
(۴) دائیں اور بائیں دیواروں پر درست ہے یانہیں ؟ اس میں دو قول ہیں ایک جواز کا، دوسرا کراہت کا۔
(۵) قبلہ اور دائیں بائیں والی دیوار کا مذکورہ حکم اس وقت ہے کہ نقش و نگار اتنا نیچا ہو کہ نمازیوں کی نظر ان پر پڑتی ہو،اگر اس قدر اوپر کر کے نقش و نگار کیا جائے کہ نمازیوں کی نظر وہاں نہ پڑتی ہو تو پھر جائز ہے۔

البتہ اس کی چند شرائط ہیں ۔مثلاً

(ا) کوئی شخص ذاتی مال خرچ کرے، وقف مال لگانا جائز نہیں کمامرّ۔
(۲) اس میں زیادہ تکلف اور مبالغہ نہ کیا جائے۔
(۳) اصلی تعمیر یعنی عبادت کا اھتمام بھی ساتھ ہو۔
(۴) ریا نمود اور شہرت پیش نظر نہ ہو۔

(۵) دوسری مساجد پر فخر نہ کیا جائے۔

ان شرائط کے ساتھ نقش ونگار صرف جائز ہے، مستحب یا مسنون نہیں ہے ۔چنانچہ اگر کوئی صاحب خیر یہ رقم کسی فقیر ومسکین پر خرچ کردے تو یہ زیادہ بہتر ہے البتہ اگر مسجد کا مال عام ضروریات سے زائد ہو، ضائع ہونے یا کسی کے قبضہ کا خطرہ ہو تو اسے مسجد کی زیب وزینت میں لگانا بھی جائز ہے۔

فی البحرالرائق (۲۵۱/۵) والا ولیٰ ان تکون حیطان المسجد البیض غیر منقوشة ولا مکتوب علیها ویکره ان تکون منقوشة بصور او کتابة.

فی الدر (۶۵۸/۱) ولا بأس بنقشه خلا محرابه الخ وفی الشامیة : ولهذا قال فی حظر الهندیة عن المضمرات والصرف الی الفقراء افضل وعلیه الفتوی اه وقیل یکره الخ

مسجد میں قمقمے لگانے کا حکم

نظام الفتاوی (۲۱۴/۱) میں ہے۔

آج کل مساجد میں قمقموں اور دیگر آرائش کی چیزوں کا لگایا جانا بکثرت جاری ہے۔شرعی نقطہ نظر سے ان چیزوں کا مساجد میں لگانا کیسا ہے؟

الجواب: مسجدوں میں ضرورت سے زیادہ قمقمے لگانا اسراف کے حکم میں ہے اور ضرورت کے مطابق لگانا جائز رہے گا۔فقط

مسجد میں بدبو والا پینٹ استعمال کرنا جائز نہیں

مروّجہ تزیین مسجد صرف جائز ہے، مستحب بھی نہیں جس کی وضاحت آچکی ہے۔ اس زمانے میں بعض رنگ اور پینٹ ایسے بھی ہیں جن میں بدبو ہوتی ہے کیونکہ ان میں اجزاء روغنی اور تارپین شامل کیا جاتا ہے، ان کو بھی مساجد میں لگایا جاتا ہے، شرعا اس کی

دو صورتیں ہیں ۔

(۱) اگر بدبو بعد میں بھی کافی مدت تک رہتی ہو تو اس کا استعمال حرام اور ناجائز ہے۔

(۲) اگر صرف عارض ہو، دن یا پونے دن میں ختم ہوجاتی ہو تو استعمال مکروہ تحریمی ہے۔

نظام الفتاوی (۳۲۰/۱) میں ایک سوال کے جواب میں ہے۔

مسجد میں ایسا پینٹ استعمال کرنا جس میں بدبو ہوتی ہو ممنوع ہے اور اگر بدبو زیادہ دیرپا ہو تو ناجائز اور استعمال مکروہ تحریمی ہے، جس سے اجتناب لازم ہے۔

راجع : الدر (۶۶۱/۱) مع الشامية)

مسجد میں ائرکنڈیشن، اے سی یا کولر لگانا

گرمیوں میں بعض مساجد میں ائرکنڈیشن، اے سی اور کولر لگادیا جاتا ہے۔شرعاً ایسا کرنا جائز ہے۔بشرطیکہ مسجد میں شوروشغب نہ ہوتا ہو اور مسجد کا تقدس پامال نہ ہوتا ہو

مسجد میں کنگھا کرنے کا حکم

بہتر تو یہی ہے کہ مسجد جانے سے پہلے کنگھا کرلیا جائے اور اگر مسجد میں ضرورت پڑے تو باہر آ کر کر لے۔تاہم مسجد میں بھی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ بال مسجد میں نہ گریں، خواہ سر میں کنگھا کرنا ہو یا داڑھی میں ۔

فتاوی محمودیہ (۴۸۱/۱) میں ہے۔

سوال : مسجد کے اندر کنگھی کرنا کیسا ہے؟

الجواب: درست ہے، جبکہ بال مسجد میں نہ گرے۔

خیر الفتاوی (۷۷۳/۲) میں ہے۔

اگر بال اور پانی کے قطرات مسجد میں نہ گریں تو گنجائش ہے، لہذا بہتر یہی ہے کہ مسجد میں نہ کریں کہ آداب مسجد کے خلاف ہے۔

مسجد میں چھوٹے چھوٹے شیشے لگانے کا حکم

بعض مساجد میں چھوٹے چھوٹے شیشے لگا دیئے جاتے ہیں جن میں انسان کے اعضاء متفرق طور پر نظر آتے ہیں، اب بعض ٹائلیں اس قدر نفیس اور عمدہ ہوتی ہیں کہ انسان ان میں نظر آ سکتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ شیشے قبلہ والی دیوار یا محراب پر لگانا درست نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی وجہ سے نمازی کی توجہ ہٹ جاتی ہے اور خشوع خضوع میں خلل آتا ہے، تاہم اگر کسی مسجد میں لگادیئے گئے ہیں تو اس میں نماز جائز ہے اور نمازیوں کو چاہئے کہ نماز کے دوران نظر نیچے رکھیں۔

جہاں تک چھت دائیں بائیں اور پچھلی دیوار پر لگانے اور سامنے کی دیوار کے بالائی حصے پر لگانے کا تعلق ہے، جہاں نماز کی حالت میں نظر نہیں پڑتی تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ کوئی اپنی ذاتی رقم سے لگائے، اس میں مسجد کا مال لگانا جائز نہیں، اس کا حکم نقش ونگار اور زیب وزینت والا ہے۔

فتاوی محمودیہ (۱۷۹/۶) میں آئینہ دار مسجد میں نماز کے بارے میں ہے۔

ایسی مسجد میں نماز جائز ہے، نمازی کو چاہئے کہ نظر نیچی رکھے تاکہ خشوع حاصل ہو اور دھیان نہ بٹنے پائے۔ ورنہ اگر اس طرف توجہ کی اور خشوع نہ رہا تو نماز مکروہ ہوگی

مسجد کے مال سے شیشے لگانے کے بارے میں ہے۔

معلوم ہوا کہ مسجد میں علاوہ محراب کے دوسرے حصوں چھت وغیرہ میں نقش ونگار کرنا اپنے حلال روپیہ سے جائز ہے لیکن محراب میں یعنی جانب قبلہ کی دیوار میں ایسے نقش ونگار کرنا جس سے نمازیوں کی توجہ منتشر ہو مکروہ ہے۔ الخ

مسجد کو تالا لگانے کا حکم

احسن الفتاوی (۴۶۸/۶) میں ہے۔

سوال: مسجد کو غیر اوقات نماز میں تالا لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اصل حکم تو یہ ہے کہ مسجد کو چوبیس گھنٹہ کھلا رکھا جائے تا کہ کوئی مسلمان کسی وقت بھی عبادت کیلئے آئے تو اسے دشواری نہ ہو، مگر آج کل کھلا رکھنے میں کئی مفاسد ہیں مثلاً:

(۱) مسجد کا سامان چوری ہوتا ہے۔

(۲) لوگ مسجد کا پانی بھر کر لے جاتے ہیں۔

(۳) کئی بے کار لوگ مسجد میں آ کر لیٹ جاتے ہیں اور پنکھے چلا کر کئی کئی گھنٹے پڑے رہتے ہیں۔

(۴) کئی لوگ فارغ بیٹھ کر دنیاوی باتیں شروع کر دیتے ہیں۔

ان مفاسد کا سد باب اس کے بغیر ممکن نہیں کہ نمازوں کے سوابقیہ اوقات میں مسجد کو بند رکھا جائے۔

مسجد میں طلباء کے تکرار اور مطالعہ کا حکم

مدارس دینیہ میں عموماً طلبہ مسجد میں مطالعہ اور تکرار کرتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ اس بارے تفصیل یہ ہے کہ بہتر تو یہی ہے کہ تکرار و مطالعہ کیلئے مدرسہ ہی میں جگہ مختص کی جائے تاہم اگر مجبوری ہو، جگہ تنگ ہو تو ایسی صورت میں مسجد میں تکرار و مطالعہ کی اجازت ہے لیکن اس میں مسجد کے تقدس اور ادب و احترام کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ مطالعہ میں شور شرابہ نہیں ہوتا، تکرار میں شور ہوتا ہے۔ اور اصل تو یہی ہے کہ مساجد میں شور مکروہ ہے تاہم ضرورت کی وجہ سے نماز کے اوقات کے علاوہ اس کی گنجائش معلوم ہوتی

ہے۔عام اہل مدارس کا تعامل یہی ہے نیز مدارس میں اکثر دینی کتب ہی پڑھائی جاتی ہیں، ان کے تکرار کو مسجد کی تعلیم و تعلم کا حصہ قرار دیا جاسکتا ہے۔جہاں تک فلسفہ، منطق، معقولات، انگریزی، ریاضی اور سائنس وغیرہ کا تعلق ہے تو یہ بلاشبہ دنیاوی علوم ہیں لیکن دینی مدارس میں انہیں پڑھانے کا مقصد نیک اور اچھا ہوتا ہے، اسلئے تبعاً ان کا تکرار اور تدریس بھی درست ہے۔

فی الهندية (۱/۹۷) والسادس ان لا يرفع فيه الصوت من غير ذكرا لله والسابع ان لا يتكلم فيه من احاديث الدنيا.

وفی حلبی کبیر (ص: ۶۱۱) فالحاصل ان المساجد بنيت لاعمال الآخرة فما كان فيه نوع عبادة وليس فيه اهانة ولا تلويث لا يكره والا كره. ومثله فی خیر الفتاوی (۷۲۸/۲)

مسجد میں طلبہ سے امتحان لینا

دینی مدارس کے طلبہ سے مساجد میں امتحان بھی لیا جاتا ہے، شرعاً یہ بھی جائز ہے۔بشرطیکہ مسجد میں گندگی نہ پھیلتی ہو اور سیاہی وغیرہ کے گرنے کا خطرہ نہ ہو۔مدارس کا تعامل بھی جواز کی دلیل ہے۔

مسجد میں درس و تدریس کا حکم

اصل تو یہی ہے کہ درس و تدریس کیلئے بھی الگ جگہ مختص ہو لیکن اگر جگہ تنگ ہو اور ضرورت ہو تو مسجد میں درس و تدریس کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ مسجد کے تقدس کا خیال رکھا جائے، اس کی صفائی متأثر نہ ہو اور درس کے علاوہ بچوں کا شور شرابہ نہ ہو۔

کفایۃ المفتی (۳۲/۷) میں ہے۔

اس (مسجد) میں تبعاً تعلیم بھی ہو جیسے کہ اکثری طور پر مساجد میں قرآن پاک

اور علوم دینیہ کے مدرسین بیٹھ کر درس دیتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

فی الهندية (۹۳/۴) ولو جلس المعلم فی المسجد والوراق يكتب فان كا ن المعلم يعلم للحسبة والوراق يكتب لنفسه فلا بأس به لانه قربة وان كا ن بالاجرة يكره الا ان يقع لهما ا لضرورة اه كذا فی حلبی كبير (ص: ۶۱۱) فتح القدير (۳۶۹/۱)

مسجد میں افطاری یا سحری کرنا

خیر الفتاوی (۶۸/۲ے) میں ایک سوال کے جواب میں ہے۔

بہتر تو یہی ہے کہ مسجد کے متصل کوئی جگہ بنالیں جس میں افطار وغیرہ کر لیا کریں اور مسجد میں نہ کریں۔لیکن اگر کوئی ایسی مناسب جگہ نہ ملے تو مسجد میں بھی گنجائش ہے۔مگر دو باتوں کا خیال رکھیں، ایک یہ کہ مسجد میں کھانے کے ریزے وغیرہ نہ گریں۔اور مسجد ملوث نہ ہو۔اور دوسری یہ کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کرلیا کریں۔

فتاوی محمودیہ (۵۰۸/۱) میں ہے۔

بہتر یہ ہے کہ ایسی صورت میں اعتکاف کی نیت کرلے، مسجد میں افطار کرنا یا سحری کھانا درست ہے لیکن جہاں تک ممکن ہو مسجد کو ملوث نہ کیا جائے یا جو جگہ قریب مسجد ہو وہاں کھایا جائے تو بہتر ہے۔

فی الدر (۴۴۸/۲) (باكل و شرب ونوم الخ قال فی الشامية:واعلم: انه كما لا يكره الاكل ونحوه فی الاعتكاف الواجب كذلك فی التطوع كما فی كراهية جامع الفتاوی ، ونصه يكره النوم والاكل فی المسجد بغير المعتكف واذا اراد ذلك ينبغی ان ينوی الاعتكاف فيدخل ويذكر الله تعالیٰ بقدر ما نوی او يصلی ثم يفعل ما يشاء اه

مسجد میں دینی پروگرام اور جلسہ منعقد کرنا

مسجد میں دینی جلسہ اور پروگرام اس شرط کے ساتھ منعقد کرنا جائز ہے کہ مسجد کا ادب و احترام ملحوظ رہے اور وہ واقعۃً دینی جلسہ ہو۔ خواہ مخواہ شور شرابہ نہ ہو اور متانت وقار سے بات ہو، گالی گلوچ نہ ہو۔

فتاویٰ محمودیہ (۴۷۳/۲) میں ہے۔

سوال: موجودہ زمانے میں جبکہ مساجد میں جلسے منعقد کئے جاتے ہیں جو اپنے اندر بہت سی پیچیدگیوں کے حامل ہوتے ہیں، جن میں علاوہ تقاریر کے شوروغل ہاتھ پائی اور گالی گلوچ تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے اور ایک دوسرے پر آوازے کسے جاتے ہیں اور طعن و تشنیع سے کام لیا جاتا ہے، بعض اوقات تو اکثر سامعین اور بعض مقررین حضرات ایسی پستی اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں جس کا ثبوت قہوہ خانوں میں بھی محال ہے۔

ایسے افعال کے مرتکب مساجد کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احکام شرعیہ بیان کرنے کیلئے مسجد میں جلسہ کرنا درست ہے، مقرر اور واعظ کو چاہیے کہ نہایت متانت اور سنجیدگی سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ارشاد حاضرین کو سنائے اور سمجھائے اور سامعین کو بھی چاہیئے کہ نہایت ادب اور احترام سے اس کو سنیں اور عمل کریں۔ جو صورت سوال میں درج ہے اس طریقہ پر جلسہ کرنا اور ایسی حرکات کا ارتکاب احترام مسجد کے قطعاً خلاف اور ناجائز ہے۔ فقہاء نے ''احکام مسجد'' میں ایسے شوروغل اور لڑائی کو بالکل ممنوع تحریر کیا ہے۔

مسجد میں محفل قرأت منعقد کرنا

مسجد میں محفل قرأت منعقد کرنا بھی مذکورہ شرائط کے ساتھ جائز ہے، یہ الگ مسئلہ ہے کہ مروجہ محافل قراءت سے احتراز کرنا چاہیئے، ان میں بے شمار مفاسد ہیں۔

مسجد میں دستار بندی

ختم بخاری یا ختم قرآن کا پروگرام بھی دینی پروگرام ہے، مذکورہ شرائط کے ساتھ اس کا انعقاد بھی درست ہے اور اس کے ضمن میں حفاظ اور فضلاء کی دستار بندی بھی درست ہے، ہاں ختم قرآن اور ختم بخاری کا جو رواج پڑ گیا ہے، یہ لائق ترک ہے۔

مسجد میں سیاسی جلسہ کرنا جائز نہیں

اس زمانے میں سیاسی جلسوں میں جو خلاف شرع امور ہوتے ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں نیز جمہوریت اور موجودہ سیاست کوئی دینی معاملہ نہیں ،اسلئے مساجد میں سیاسی جلسہ کرنا جائز نہیں ہے۔فتاوی رحیمیہ (۱۰۵/۶) میں ہے۔

سوال: مسجد میں سیاسی جلسہ اور میٹنگ کرنا کیسا ہے؟

جواب: مسجد کے ادب واحترام کے بارے میں لوگ بہت زیادہ بے پرواہی برتتے ہیں۔یہ کام مسجد میں کرنے کے لائق نہیں لہذا خالص دینی مجالس کے علاوہ دوسری آج کل سیاسی میٹنگیں شرعی مسجد سے باہر کسی اور جگہ منعقد کرنی چاہئیں ،حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد کے باہر کنارے پر ایک چبوترہ تعمیر کروادیا تھا اور اعلان کرادیا تھا کہ جس کو اشعار پڑھنا ہو یا بلند آواز سے بولنا ہو یا کوئی اور کام کرنا ہو تو وہ چبوترہ میں چلا جائے ۔

فی المشکوٰۃ (۷۱/۱) عن مالک قال بنی عمرؓ رحبة فی ناحیة المسجد تسمّی البطیحاء وقال من کا ن یرید ان یلغط او ینشد شعرا او یرفع صوته فلیخرج الی هذ ه الرحبة، رواه فی الموطا.

وفی الهندیة (۲۵۱/۶) کتاب الکراهیة ، الباب الخامس، الجلوس فی المسجد للحدیث لایباح بالاتفاق لان المسجد ما بنی لامور الدنیا.

مسجد میں سیاسی لوگوں کا افطار پارٹی کرنا جائز نہیں

اس زمانے میں افطار پارٹی کا بڑا رواج ہے، بعض سیاسی لوگ مساجد میں افطار پارٹی کرتے ہیں، شرعاً یہ جائز نہیں ہے۔ مساجد نماز، تلاوت، تسبیح، دعا اور دیگر عبادات کیلئے ہیں۔ مساجد میں افطار پارٹی کرنے میں کئی مفاسد اور گناہ ہیں۔ مثلاً

(۱) مسجد کا تقدس، ادب واحترام پامال ہونا۔

(۲) شوروغل مچنا۔

(۳) کھانے پینے کی اشیاء کا صفوں اور صحن وغیرہ میں پھیلنا۔

(۴) اس دوران دوسرے عبادت گزاروں کی عبادت میں خلل واقع ہونا۔

افطار پارٹی میں کثرت افراد کی وجہ سے یہ مفاسد رونما ہوتے ہیں البتہ اگر کوئی شخص یا چند افراد اہتمام وانتظام کے بغیر اختصار اور سادگی کے ساتھ اور مسجد کو ہر طرح کی گندگی اور بے حرمتی سے بچاتے ہوئے افطاری کریں تو اس کی گنجائش ہے جس کی وضاحت آچکی ہے۔

مسجد میں الیکشن مہم چلانا جائز نہیں

فتاوی محمودیہ (۱۸۷/۱۵) میں ہے۔

سوال: اگر کوئی شخص الیکشن کے سلسلے میں کوئی سیاسی میٹنگ مسجد میں کر کے مسجد کو انتخابی اور سیاسی پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کرے تو کیا ازروئے شریعت یہ درست ہے اور ایسے آدمیوں کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: مسجدیں دنیاوی الیکشنوں کیلئے نہیں بنائی گئیں، ایسے کام مسجد میں نہ کئے جائیں، جو ایسا کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

مسجد میں میوزیکل کلاک ،آواز دار گھنٹہ والی گھڑی رکھنا

اس زمانے میں میوزیکل اور گھنٹہ دار گھڑیوں کا رواج بڑھ گیا ہے ، جن میں وقت بتلانے کے علاوہ ہر پندرہ منٹ کے بعد ٹن ٹن کی آواز بھی ہوتی ہے، اسے مسجد میں لگانے کے بارے یہ تفصیل ہے کہ بلا ضرورت نہ لگانا چاہئے ،بہتر یہی ہے کہ عام سادہ گھڑی لگادی جائے۔

خیرالفتاوی (۷۳۶/۲) میں ہے۔

ہمارے محلے کی مسجد میں نماز پنجگانہ جماعت سے ادا کرنے کی سہولت کیلئے ایک الارم نما کلاک آویزاں ہے، ہر پندرہ منٹ بعد ساز نما آواز دیتا ہے،جس کی نوعیت پندرہ منٹ ، آدھ گھنٹہ ،پون گھنٹہ اور گھنٹہ پر مختلف ہوتی ہے ،نوعیت یوں ہے۔

پندرہ منٹ پر: ٹوں ۔ٹاں ۔ٹاں ۔ٹوں ۔ٹوں

آدھا گھنٹہ پر: ٹوں ۔ٹوں ۔ٹاں ۔ٹاں ۔ٹوں

پون گھنٹے پر: ٹوں ۔ٹوں۔ٹاں ۔ٹوں ۔ٹوں

مندرجہ بالاصورت میں یہ کلاک مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ایسا کلاک مسجد میں آویزاں نہ کریں۔

ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

تاہم اگر ضرورت ہوتو اسے مسجد میں رکھنے کی گنجائش ہے، عام مساجد میں اس کا تعامل ہے۔

امداد الفتاوی (۷۱۸/۲) میں ہے۔

سوال : (۸۲۶) مساجد میں گھنٹہ دار گھڑی لگانا جیسا کہ عموماً رواج ہوتا جاتا ہے بوجہ عدم نقل از سلف وفی الجملۃ مشابہت آواز جرس کچھ مکروہ نہیں ؟۔

الجواب : خلاف اولی کہنے کی تو گنجائش ہے لیکن ناجائز نہیں کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ وہ جرس ممنوع نہیں بلکہ آلہ مفیدہ معرفت وقت کا ہے ،فقہاءؒ نے خود طبل سحر کی اجازت

لکھی ہے۔اور مسجد میں ہونا اسلئے مصلحت ہے کہ وہاں معرفتِ اوقاتِ نماز کی زیادہ حاجت ہے۔

سوال (۸۲۷): کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے اندر ایسی گھڑی رکھنا جو آواز زور سے آدھ گھنٹے کے بعد دیتی ہے اور ہر وقت تھوڑی تھوڑی آواز بدلی وغیرہ کے دنوں میں وقت نماز کے پہنچانے کیلئے جائز ہے یا نہیں اور اگر گھڑی مذکورہ مسجد سے خارج ہو مگر آواز مسجد کے اندر جاتی ہو تو اس صورت میں بھی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان دونوں صورتوں کی آواز سے نماز میں کراہت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: مسجد کے اندر گھنٹہ دار گھڑی بغرض اعلام وقت کے جائز ہے اور چونکہ بعض لوگ بینائی کم رکھتے ہیں بعضے نمبر نہیں پہچانتے اور بعض دفعہ روشنی کم ہوتی ہے،اسلئے ضرورت ہوتی ہے آواز دار گھڑی کی،تو اس مصلحت سے یہ جرس ممنوع سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ عالمگیریہ میں بعض فروع اس قسم کی لکھی ہیں اور حدیث میں تصفیق کی اجازت عین صلوۃ میں مصلحت کیلئے دلیل بین ہے مشروعیۃ صوت جس میں **متقارعین لمصلحة الاعلام المتعلق بالصلوة** کی۔

فتاوی رحیمیہ (۱۳۱/۶) میں ایک سوال کے جواب میں ہے۔

گھڑی میں پندرہ پندرہ منٹ بعد ٹن ٹن کی آواز ہوتی ہے اس سے ان لوگوں کو جو دور ہوتے ہیں یا جن کی نگاہ کمزور ہوتی ہے۔وقت معلوم کرنے میں سہولت رہتی ہے ،اس بناء پر علماء نے ایسی آواز والی گھڑی مسجد میں رکھنے کی اجازت دی ہے۔امداد الفتاوی (۱۸/۲ے) میں ہے الخ۔

فتاوی محمودیہ (۱۴۹/۱۰) میں ایک سوال کے جواب میں ہے۔

اس گھڑی کا مقصد اصلی بھی وقت ہی معلوم کرنا ہے۔اور ستار باجہ کی طرح آواز سننا مقصد نہیں لیکن گانا بجانا عام ہوجانے کی وجہ سے اسکی آواز میں اس طرح لحاظ کرلیا گیا ہے کہ اگر کوئی باجہ کی آواز نہ سننا چاہے بلکہ اس سے نفرت کرتا ہو تو وہ بھی بے اختیار اس کو سنے، اس کو ستار وغیرہ کی طرح بالکل ناجائز تو نہیں کہا جائے گا۔ ہاں ضرور کسی قدر

شبہ پیدا ہو جائے گا۔ اسلئے ایسی گھڑی کے مقابلے میں وہ گھڑی قابل ترجیح ہوگی جس میں آواز نہ ہو۔

کلاک کی آواز سپیکر سے منسلک کرنا اور باہر نشر کرنا جائز نہیں

اکابرین کے سابقہ نصوص میں واضح ہو چکا کہ میوزیکل کلاک ضرورت کی بناء پر مسجد میں لگانے کی گنجائش ہے اور یہ ضرورت مسجد اور نمازیوں تک محدود ہے، اسلئے اس کی آواز سپیکر پر نشر کرنا اور پورے محلہ میں پھیلانا جائز نہیں۔

خیر الفتاوی (۲/۳۵۷) میں ہے۔

آج کل ایسا گھڑیال ایجاد ہوا ہے جو مساجد میں لگایا جاتا ہے اور اس کو مسجد کے سپیکر کے ساتھ منسلک کر دیا جاتا ہے، جس سے ہر گھنٹہ کی آواز ٹن ٹن اور زور سے سپیکر سے نکلتی ہے۔ بظاہر اس کا فائدہ مسجد کو نہیں ہے اور رات کو اس کی آواز زیادہ ہوتی ہے، جس سے سونے والوں اور خاص کر مریضوں اور بچوں کے آرام اور سکون میں خلل آتا ہے۔ کیا اس کی مشابہت عیسائیوں کے گرجا گھر کی گھنٹی، اور ہندوؤں کے مندر کی گھنٹی سے نہیں ملتی؟ کیا اس گھنٹی کی آواز کو رسول اللہ ﷺ نے مسجد کیلئے اس وقت رد نہیں فرمایا دیا تھا جب اذان کا معاملہ زیر غور تھا؟ ایسا گھڑیال مسجد میں لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: علاوہ مذکورہ مفاسد کے اتنی بلند آواز آداب مسجد کے بھی خلاف ہے۔ لہٰذا ایسی گھڑی مسجد میں نصب کرنا درست نہیں الخ۔

مسجد کی بیرونی لائٹ رات کو جلائے رکھنا

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام مسئلہ ہذا کے متعلق:

ہماری مسجد کی بجلی کا بل ۱۲ افراد پر منقسم ہے یعنی ایک جنوری (۲) فروری (۳)

مارچ، اس طرح ہر ساتھی نے ایک ماہ کا بل اپنے ذمہ لیا ہوا ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ مسجد کے ساتھ عام راستہ ہے جو کہ رات دیر تک لوگ گزرتے ہیں، رات کو عشاء کے بعد اگر مسجد کی باہر کی لائٹ بند کر دیں تو اندھیرا ہو جاتا ہے، لوگوں کو گزرتے ہوئے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

اب کچھ ساتھیوں کی رائے یہ ہے کہ عشاء کے بعد لائٹ بند کر دیں کیونکہ مسجد کی بجلی ایسے استعمال کرنا درست نہیں جبکہ دیگر ساتھیوں کی رائے یہ ہے کہ لائٹ رات کو چلائی جائے تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو، جو دوست احباب بجلی کا ماہانہ بل کرتے ہیں، ان کو بھی کوئی اعتراض نہیں، اب چونکہ بجلی کا بل مسجد کے فنڈ سے ادا نہیں کیا جاتا لہذا اسی مذکورہ صورت میں قرآن و حدیث کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمائیں، ہم مسجد کی باہر کی لائٹ رات کو چلا سکتے ہیں کہ نہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟۔

جزاکم اللہ احسن الجزاء

والسلام

عبدالحفیظ

الجواب حامداً و مصلیاً

صورت مسئولہ میں عام راستہ سے گزرنے والوں کو تکلیف سے بچانے کیلئے مسجد کی باہر کی لائٹ دیر تک جلائے رکھنا جائز اور درست ہے۔ اس میں مضائقہ نہیں۔ اگر مزید دو باتوں کا اہتمام کر لیا جائے زیادہ مناسب ہوگا۔

(۱) باہر کی ٹیوب لائٹ مسجد کے عام چندہ سے خریدنے کے بجائے، بجلی کا بل ادا کرنے والوں میں سے کسی کے ذمہ لگا دی جائے۔

(۲) رات کو عموماً جس وقت تک لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے، اس وقت تک لائٹ کھلی رہے، اس کے بعد بند کر دی جائے۔ فقط واللہ اعلم

ریاض محمد

دارالافتاء تعلیم القرآن راولپنڈی

۱۲/۱۰/۱۴۲۶ھ

مسجد کو کسی خاص مسلک کے نام ٹرسٹ کروانے کا حکم

اس زمانے میں مساجد کو کسی خاص مسلک کے نام ٹرسٹ کروادیا جاتا ہے جیسے دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث وغیرہ، شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، اس کا مقصد تحفظ حاصل کرنا ہے کہ آئندہ اسی مسلک کا امام رہے گا، کوئی اور قبضہ نہ کرے۔

کیا مسجد کو رجسٹرڈ کرنا ضروری ہے؟

وقف کے درست ہونے اور شرعی مسجد بننے کیلئے اس کا رجسٹرڈ ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس کے بغیر بھی شرعی مسجد بن جاتی ہے۔ رجسٹرڈ کرانا ایک انتظامی معاملہ ہے اور جائز ہے، اگر حکومت رجسٹرڈ کرانے کو ضروری اور لازمی قرار دے تو بھی درست ہے اور اس کی پابندی ضروری ہوگی اور رجسٹرڈ کرانے کے کئی فوائد ہیں۔ مثلاً (۱) وقف کا تحفظ مزید تر ہوجاتا ہے۔

(۲) مسلک کی حفاظت ہوجاتی ہے۔ وغیرہ

ماخذہ: خیر الفتاوی (۲/۴۷۷) وفتاوی محمودیہ (۶/۱۵۷)

مسجد کو بانی کے نام سے موسوم کرنا یا اس کے نام کا کتبہ لگانا

بانی اگر مسجد کو اپنے نام سے موسوم کرے یا اس پر اپنے نام کا کتبہ لگائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے تفصیل یہ ہے کہ:

(۱) بہتر تو یہی ہے کہ اپنے نام نہ موسوم کرے اور نہ اپنے نام کا کتبہ لگائے تا کہ ریا اور شہرت کا احتمال بالکل نہ رہے۔

(۲) تاہم اگر وہ نام سے موسوم کرنا یا کتبہ لگانا چاہتا ہے تو یہ حکم اختلاف اغراض سے مختلف ہوتا ہے۔ اگر اس کا مقصد شہرت اور ریاء ہو تو ناجائز اور حرام ہے اور اگر ریا اور شہرت مقصود نہیں بلکہ لوگوں کو ترغیب دینا مقصود ہے کہ لوگ نام دیکھیں گے تو نیکی کی رغبت پیدا ہوگی یا دعا لینا مقصود ہو کہ لوگ دیکھ کر دعا دیں گے تو جائز ہے، اپنے نام کا کتبہ لگانا درست ہے، تاہم اگر کوئی بانی نام کا کتبہ لگاتا ہے تو اسے منع نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی نیت اللہ کو معلوم ہے اور اگر لگادیا تو اس کا اکھیڑنا بھی جائز نہیں۔

امداد الاحکام (۲۵۸/۳) میں ہے۔

یہ سب جواب کتبہ لگانے سے پہلے کا ہے اور اگر کسی نے لگادیا تو اس کا اکھاڑنا بھی درست نہیں کیونکہ وقف میں مرکب ہونے سے وہ وقف ہوگیا اور وقف میں ایسا تصرف مضر للوقف ممنوع ہے، دوسرے اس میں ؟؟ مسجد کا بلاضرورت شکستہ کرنا ہے۔ یہ بھی درست نہیں۔

مسجد میں مسلک کی تختی لگانا

اس زمانے میں مساجد کے باہر جہاں مسجد کا نام لکھا جاتا ہے وہاں مسلک کے بارے بھی لکھ دیا جاتا ہے، مثلاً جامع مسجد بلال اھل السنۃ والجماعت حنفی دیوبندی، وغیرہ، یہ ایک انتظامی معاملہ ہے اور شرعاً درست ہے۔ اس کا فائدہ بھی ہے کہ نو وارد نمازیوں اور مسافروں کو امام کا مسلک اور اسکی اقتداء میں نماز پڑھنے کی شرعی حیثیت معلوم ہوجاتی ہے

مساجد میں بجلی کی روشنی کا حکم

مساجد میں روشنی کرنا ایک حد تک ضروری ہے، فجر مغرب اور عشاء کی نماز میں اس کی ضرورت پڑتی ہے، فقہاء کرام نے ایسے اندھیرے میں نماز پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے جس میں سمت قبلہ کا صحیح پتہ نہ چل سکے۔ اس کے پیش نظر مساجد میں بجلی کی روشنی بھی

درست ہے۔اگر بلب اور ٹیوب لائٹ چھت یا دیوار کے بالائی حصے پر ہو تو جواز میں کوئی شبہ نہیں۔اور صحیح طریقہ بھی یہی ہے تاہم اگر بلب سامنے ہو یا روشنی سامنے کردی جائے تو بھی درست ہے۔مساجد میں بجلی کا استعمال اور روشنی ایک اہم ضرورت اور ایک عام طریقہ ہے، عام مسلمانوں کے ذہن میں نہ آتش پرستی کا تصور ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے ساتھ تشبہ ہے کیونکہ یہاں آتش پرستوں کا وجود ہی نہیں۔

امداد الفتاوی (۲/۶۹۵) میں ہے۔

سوال: خادم نے آتش پرستوں کو دیکھا ہے کہ لالٹین کے سامنے شب کو کھڑے ہو کر پرستش کرتے ہیں، اب عام طور پر مسجدوں میں بجلی کی روشنی سر پر رہتی ہے یا سامنے .....خادم ایک کونہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ لیتا ہے، امام کے پیچھے اب نہیں کھڑا ہوتا، سب سے کہا کہ روشنی بجلی کی ایک جانب مسجد کے کردی جائے کہ کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔خادم اس روشنی سے علیحدہ رہے یا نہیں؟

الجواب :فی الدر المختار مکروهات الصلوة ، او شمع او سراج او نار توقد لا ن المجوس انما تعبد الجمر لا النارالموقدة ،قنية فی رد المحتار تحت قوله اوشمع وعدم الکراهة هوالمختار کما فی غاية البيان الی آخر ما قال

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے اور مختار عدم کراہت کو لکھا ہے لیکن جب علت کراہت کی عبادت ہے اور سوال میں عبادت سراج کا مشاہدہ ظاہر کیا ہے تو احتیاط راجح ہے لیکن ضرورت بھی جالب تیسیر ہوتی ہے۔اگر اس سے تحرز دشوار ہو گنجائش کا حکم دیا جائیگا ،اور اگر آسانی سے انتظام ہو جاوے تو اختلاف و اشتباہ سے بچنا عزیمت ہے۔

اور (۲/۷۱۵) میں ہے۔

سوال: یہاں بجلی کا انجن منگایا گیا ہے، جس سے روشنی اور پنکھے کا کام لیا جاوے گا۔اگر مسجد میں اس کی روشنی کی جاوے یا اس کا پنکھا لگایا جاوے جو خود بخود چلے گا اور کسی

قسم کا شور یا بدبو نہ ہوگی تو جائز ہے؟۔
الجواب: جائز ہے۔

مسجد میں بجلی کا انجن یا جنریٹر رکھنے کا حکم

مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر مسجد کے کسی کمرے وغیرہ میں جنریٹر رکھدیا جائے تو درست ہے بشرطیکہ اس کی آواز مسجد میں نہ آئے اور شور شرابہ نہ برپا ہوتا ہو۔

مسجد میں پنکھا لگانے کا حکم

اس بارے یہ تفصیل ہے، پنکھے کی کئی اقسام ہیں۔

(۱) دستی پنکھا: دستی پنکھا مسجد میں رکھنا اور حالت نماز کے علاوہ میں استعمال کرنا درست ہے بشرطیکہ مسجد کی صفائی متأثر نہ ہوتی ہو۔

(۲) فرشی پنکھا یا سٹینڈ والا پنکھا۔

(۳) سقفی پنکھا: جو چھت میں لٹکایا جاتا ہے۔

(۴) جداری پنکھا: جو دیوار پر نصب کردیا جاتا ہے۔

انہیں الیکٹرونک اور برقی پنکھے کہا جاتا ہے جو کہ بجلی کی توانائی پر چلتے ہیں۔اس زمانے میں ان کا مساجد میں لگانا اور استعمال کرنا بلاشبہ درست ہے، یہ مساجد اور نمازیوں کی بنیادی ضروریات میں شامل ہیں۔نیز اس کا عام عرف اور جاری تعامل ہے، بقدر ضرورت ہر مسجد میں لگائے جاتے ہیں، البتہ متقدمین حضرات سے اس بارے منع منقول ہے اور بعض نے مباح قرار دیا ہے۔ چنانچہ آٹھویں صدی کے علماء کرام وصلحاء عظام کے سامنے جب یہ مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے اس کی مخالفت کی اور اس کے بدعت شرعی ہونے کا فتوی دیا۔

فقہ مالکی کے مشہور فقیہ علامہ ابن الحاج اپنی کتاب المدخل (۴۹/۱، ۷۹/۱) میں فرماتے ہیں۔

قد منع علمائنا رحمهم الله المراويح ان اتخاذها في المساجد بدعة ،......ينبغي ان يتحفظ من هذالمراوح ان كا ن في المسجد اذانها بدعة وقد الكرمالک الاشياء اللتي تعهد في البيوت ان تعهد في ا لمساجدلانها لم تكن من فعل السلف وان كانت مباحة في غيره اه.

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ نے مجموعۃ الفتاوی (۱۷۷/۱) میں مذکورہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اسے بدعت شرعیہ تو نہیں کہا جاسکتا البتہ بدعت لغویہ و بدعت مباحہ کہہ سکتے ہیں ، ان کا موقف یہ ہے کہ پنکھا لگانا مباح ہے البتہ ترک اولیٰ ہے۔ فرماتے ہیں۔

مسجد میں فی نفسہ فرشی پنکھا لگانا مباح ہے کوئی ممانعت شرعیہ اس میں نہیں ہے اور نہ کوئی روایت فقہیہ معتبرہ نظر سے گزری ہے البتہ ابن الحاج نے المدخل میں تحریر فرمایا ہے ..... لیکن ظاہر ہے کہ اس کا بدعت شرعیہ ہونا جو موجب ضلالت ہے صحیح نہیں ہے کیونکہ بدعت شرعیہ عبادات میں ہوتی ہے نہ مباحات میں ، .... البتہ بدعت لغویہ وبدعت مباحہ ہے پس بلحاظ کمال اتباع سلف صالحین اس کا ترک اولیٰ ہوگا اور اس کا ارتکاب موجب ضلالت یا کراہت نہیں ہوسکتا خصوصاً جبکہ اس سے نمازیوں اور حاضرین مجلس کو آرام پہنچانا مقصود ہو۔

امداد الفتاوی (۷۱۴/۲) میں اسے خلاف اولی قرار دیا ہے، فرماتے ہیں۔

بخلاف پنکھے کے کہ اصل میں اس کی کوئی حاجت شدید نہیں ۔ہوا سب جگہ آتی ہے مگر پھر بھی جس قدر تھوڑی بہت حاجت ہے، اس کیلئے دستی پنکھا کافی ہے، اب اس پر قناعت نہ کرنا اور گرجا گھر کی طرح پنکھا باندھنا مسجد کی صورت اور سیرت خراب کرنا ہے۔

جبکہ (۷۱۵/۲) میں ایک سوال کے جواب میں اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔ وقد مر تصریحہ۔

البتہ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ صحیح یہی ہے کہ مساجد میں پنکھے لگانا درست ہے البتہ

اس کے چلانے کا صحیح نظم وضبط ہونا چاہئے۔ بسا اوقات بعض بیمار ہوتے ہیں اور بعض کی طبیعت ہوا سے کتراتی ہے، ایسی صورت میں اختلاف سے بچنے کی کوشش ضروری ہے بعض حضرات نے جو اس سے منع کیا ہے وہ اپنے زمانے کے اعتبار سے درست ہے ۔اس وقت اس کی اجنبیت زیادہ تھی ، اب ہر گھر اور ہر مسجد کی ضرورت ہے ۔ اور بعض نے اسلئے منع فرمایا ہے کہ اسکی وجہ سے شوروغل ہوتا ہے اور نماز میں خلل واقع ہوتا ہے، بسااوقات امام کی آواز نہیں پہنچ پاتی لیکن اب بجلی عام ہونے کی وجہ سے جہاں پنکھے چلتے ہیں وہاں لاؤڈ سپیکر کا انتظام بھی ہوتا ہے۔اور آواز بآسانی پہنچ جاتی ہے۔

قال العلامة الكنكوهي في الكوكب الدرى (١/٩٩) قوله بالقنو والقنوين فيعلقه فيه دلالةعلى تعليق المراوح في المسجد لما انها ليست باقل نصفا من القنو مع مافي القنوفي الشغل والتلويث ما ليس في المراوحة اه.

فتاوی محمودیہ (۶/۱۹۷) میں ہے۔

گرمی کے وقت نمازیوں کی راحت و اطمینان کیلئے بجلی کا پنکھا مسجد میں چلنے کی وجہ سے نماز میں کوئی خلل نہیں آئے گا ،بلا تردد نماز درست ہوگی ۔ اور ایسی منفعت و راحت کا انتظام کرنا شرعاً ممنوع نہیں الخ

غیر اوقات نماز میں پنکھا چلانے کا حکم

فتاوی محمودیہ (۱۵/۱۸۹) میں ہے۔

سوال : مسجدوں میں بجلی اور پنکھے وغیرہ لگے ہوتے ہیں ، نماز کے علاوہ دوسری ضروریات کے واسطے ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں ؟ جیسے تلاوت کلام پاک مطالعہ کتب، تبلیغ تعلیم وغیرہ۔

الجواب : پنکھے چونکہ نماز کے وقت استعمال کرنے کیلئے لگائے گئے ہیں، ان کو دیگر اوقات میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں ، اوقات نماز میں جب نماز کیلئے کھولے

جائیں تو مطالعہ کی بھی اجازت ہے، شرط الواقف کنص الشارع۔
واضح رہے کہ ہمارے زمانے میں عرف عام میں پنکھوں اور بجلی کا استعمال نماز کے وقت کیساتھ مخصوص ومقید نہیں، اس کے علاوہ بھی ذکر واذکار تلاوت، تعلیم وتعلم وغیرہ کیلئے استعمال کی اجازت ہوتی ہے، اسلئے عام اوقات میں بھی استعمال درست ہے الّا یہ کہ اس سے صراحتہً منع کردیا گیا ہو۔

فی البحر (۲۵/۵) ولا بأس بان یترک سراج المسجد فیه فی المغرب الی وقت العشاء ولا یجوز ان یترک فیه کل اللیل الا فی موضع جرت العادة فیه بذلک کمسجد بیت المقدس ومسجد النبی ﷺ والمسجد الحرام او شرط الواقف ترکه فیه کل اللیل کماجرت العادة به فی زماننا، وکذا فی الهندیة (۴۵۹/۲)

مسجد کی بجلی دوسرے شخص کو دینا صحیح نہیں

فتاوی محمودیہ (۲۰۲/۱۵) میں ہے۔
سوال: کیا مسجد سے دوسرے شخص کو بجلی اور روشنی دی جاسکتی ہے جبکہ کوئی نقصان نہ ہو؟
الجواب: جہاں تک ہوسکے مسجد کی بجلی کا تعلق دوسرے سے نہ ہونا چاہئے، اگرچہ اس سے مسجد کی بجلی میں کوئی فرق نہ آوے۔

تبلیغی جماعت والوں کا مسجد کی بجلی پنکھا اور گیس استعمال کرنا

اس زمانے میں جیسا کہ رواج ہے کہ تبلیغی جماعت کے حضرات مساجد میں ٹھہرتے اور ان کی اشیاء بجلی گیس اور پنکھے وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟ اس بارے یہ تفصیل ہے کہ نمازوں کے اوقات میں بجلی پنکھے وغیرہ کا استعمال

بلاشبہ صحیح ہے اور اوقات نماز کے علاوہ استعمال کے بارے میں اکابرین کا فتوی یہ ہے کہ عام استعمال درست نہیں ہے، ایسی صورت میں تبلیغی جماعت والوں کو بجلی گیس کا مناسب معاوضہ مسجد میں دیدینا چاہیے۔

فتاوی محمودیہ (۲۰۱/۱۰) میں ایک سوال کے جواب میں ہے۔

مسجد کا پنکھا اور مسجد کی روشنی اصالۃً نماز کیلئے ہے جب تک نمازی عامۃً نماز پڑھتے ہیں اس وقت تک استعمال کریں، اگر علاوہ نماز کے دیگر مقاصد کیلئے استعمال کریں تو اس کے معاوضے میں مسجد کی خدمت بھی کردیا کریں۔

اور (۲۶۷/۱۲) میں ہے۔

سوال: یہاں جامع مسجد شہر علی گڑھ میں تبلیغی جماعتیں آتی رہتی ہیں اور اپنا قیام مسجد میں کرتی ہیں اور اپنا اجتماع مسجد میں کرتی ہیں، نماز ظہر کی جماعت اور سنت ونفل سے فراغت کے بعد وہ اپنی کتاب پڑھنا، دین کی باتیں کرنا شروع کرتی ہیں۔اسی درمیان میں وہ مسجد کا پنکھا بھی چلاتی ہیں، بجلی خرچ کرتی ہیں اور مسجد کا پنکھا استعمال کرتی ہیں ......دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا ان جماعتوں کو اپنے اوقات میں مسجد کا پنکھا بجلی وغیرہ استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یانہیں؟

الجواب: اجازت نہیں ......ان جماعتوں کا قیام نماز کیلئے ہے، مقصد نماز کے خلاف کسی غلط یا غیر مقصود کیلئے نہیں۔اسلئے اگر یہ مسجد کا لوٹا چٹائی نل، ڈول، رسی استعمال کریں تو اس میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے البتہ جو مصارف زیادہ ہوں بجلی کیلئے وہ ان سے وصول کرلئے جائیں۔

وضاحت: ہمارے زمانے میں روشنی اور پنکھے کا استعمال اوقات نماز کے ساتھ مخصوص نہیں جیسا کہ پہلے تفصیل آچکی ہے، اسلئے تبلیغی حضرات کا انہیں دوسرے اوقات میں استعمال کرنا بھی درست ہے۔اس کے علاوہ ہم مسلک تمام مساجد میں تبلیغی حضرات کو اس کی اجازت ہوتی ہے، نیز ضرورت کے مطابق گیس استعمال کرنے کی بھی اجازت ہوتی ہے۔اور خرچہ مسجد کمیٹیاں برداشت کرتی ہیں بلکہ اسے باعث سعادت تصور کیا جاتا

ہے، اسلئے مسجد کی بجلی پنکھے اور سوئی گیس کا استعمال تبلیغی حضرات کیلئے ضرورت کی حد تک جائز ہے البتہ اگر ساتھ وہ مسجد میں معاوضہ بھی دیدیں تو اچھی بات ہے۔

البحر الرائق (۲۵۰/۵)، والھندیۃ (۴۵۹/۲)

تبلیغی حضرات کے مسجد میں ٹھہرنے اور قیام کی شرعی حیثیت

تبلیغی جماعت والے اگر مسافر ہوں تو مسافر کیلئے ویسے بھی مسجد میں ٹھہرنے اور کھانے پینے کی اجازت ہے، البتہ جماعت میں افراد زیادہ ہوتے ہیں اور بے احتیاطی کا خطرہ ہوسکتا ہے، اسلئے مسجد کی صفائی اور اس کے ادب و احترام کا لحاظ ضروری ہے۔ اس زمانے میں بعض مساجد کے ساتھ مطعم اور مطبخ اور قیام کی جگہ بھی الگ بنادی جاتی ہے، یہ بہت اچھا اقدام ہے۔ ایسی صورت میں جماعت والوں کو اسی میں کھانا پینا اور سونا چاہئے۔

فی الھندیة (۲۹۶/۵) کتاب الکراھیة ، الباب الخامس، ولا بأس للغریب ولصاحب الدار ان ینام فی المسجد فی الصحیح من المذھب والا حسن ان یتورّع فلا ینام کذا فی خزانة الفتاوی .

اور اگر مسافر نہ ہوں جیسا کہ بسا اوقات سہ روزہ والوں کی تشکیل قریبی مسجد میں ہوجاتی ہے۔ تو ایسی صورت میں اعتکاف کی نیت ضروری ہے، اعتکاف کی نیت کرلی تو مسجد میں ٹھہرنا، سونا اور کھانا پینا جائز رہے گا۔

فی الھندیة (۳۹۶/۵) ویکرہ النوم والا کل فیه لغیر المعتکف واذا اراد ان یفعل ذلک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل ...ثم یفعل ما شاء کذا فی السراجیة .

شب جمعہ میں مسجد میں ٹھہرنے کا حکم

شب جمعہ کیلئے جانے والے بھی اکثر و بیشتر مقیم ہوتے ہیں۔مسافر نہیں ہوتے ،اسلئے ان کا بھی اعتکاف کی نیت کرنا ضروری ہے۔کما مرّ۔ یہی حکم اپنی مسجد میں شب گزاری کا ہے۔

مسجد میں اپنے لئے کوئی جگہ یا حصہ خاص کرنا جائز نہیں

بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ مسجد میں اپنے لئے ایک جگہ مستقل طور پر مخصوص کردیتے ہیں۔بعض وہاں پر اپنا ذاتی مصلّٰی بچھا دیتے ہیں، کسی اور کو وہاں نماز نہیں پڑھنے دیتے، اس کے ساتھ لڑتے ہیں یا ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔

یہ طریقہ غلط ہے، اس طرح قبضہ ناجائز اور دوسرون کی حق تلفی ہے۔اس سے احتراز ضروری ہے۔خواہ وہ مؤذن یا معذور نمازی ہو۔

فی المراقی (ص:۲۱۸) یکرہ للانسان ان یخص نفسہ بمکان فی المسجد یصلی فیہ لانہ ان فعل ذٰلک تصیر الصّلوۃ فی ذٰلک المکان طبعاً والعبادۃ متی صارت کذلک کان سبیلھا الترک ولھذا کرہ صوم الا بد نقلہ ا لسید عن الحموی.

وفی الدر (۱/۶۶۲) مکروھات الصلوۃ ، قبیل باب الوتر ، وتخصیص مکان لنفسہ ولیس لہ ازعاج غیرہ منہ ،

و فی الشامیۃ : ای لان المسجد لیس ملکا لاحد بحر عن النھایۃ .

ہاں اگر کوئی بزرگ معذور ہے اور اھل محلّہ اور نمازیون کو اس کیلئے جگہ مخصوص کرنے پر اعتراض ہے اور نہ تنگی محسوس کرتے ہیں تو گنجائش ہے۔

مسجد میں جگہ روکنے کیلئے کپڑا وغیرہ رکھ دینا

بعض لوگ وقتی نماز کیلئے جگہ روکنے کیلئے رومال وغیرہ رکھ کر چلے جاتے ہیں،

پھر واپس آ کر اسی جگہ بیٹھتے ہیں۔شرعاً اس کی دوصورتیں ہیں۔

(۱) نمازی وضو کر کے باقاعدہ ایک جگہ بیٹھ گیا ہے اور اچانک کسی عارضی کام کیلئے چلا جاتا ہے اور جلدی واپس لوٹنے کا ارادہ ہے، مثلاً وضوٹوٹ گیا، وضو کرنے چلا گیا یا تھوکنے یا ناک صاف کرنے تو ایسی صورت میں اس کا اسی جگہ بیٹھنا اور استحقاق ثابت کرنا درست ہے۔کسی دوسرے کو وہاں بیٹھنا جائز نہیں ہے۔

(۲) وضو اور مکمل تیاری کر کے مسجد میں آ کر بیٹھا نہیں ، ویسے ہی جلدی میں آ کر کپڑا وغیرہ رکھ کر چلا گیا، خواہ وضو کیلئے جائے یا کسی اور غرض سے جائے ، اس کا یہ طریقہ درست نہیں ۔اور اس سے اس کا حق قائم نہیں ہوتا ، چنانچہ اگر تنگی محسوس ہو تو دوسرے شخص کا اس کی جگہ پر بیٹھنا درست ہے،البتہ اس کے کپڑے پر بیٹھنا جائز نہیں ، کیونکہ اس کی اجازت مالک نے نہیں دی، اسلئے اسے ہٹا دے لیکن ہاتھ سے نہ ہٹائے ورنہ اس کی ضمان میں داخل ہوجائے گا۔اور اگر جگہ تنگ نہ ہو، وسعت ہو تو دوسری جگہ بیٹھ جانا چاہیئے۔تاکہ جھگڑا فساد نہ ہو۔

فی المرافی (۳۵۹) ولو فرش نحو سجادة فیه وجهان فقیل یجوز لغیره تنحیتها والجلوس فی موضعها لان السبق بالاجسام لا ان یفرش ولا یجوز الجلوس علیها بغیر رضاه نعم لا یرفعها بیده او غیرها لان لا تدخل فی ضمانه وقیل لا یجوز تنحیتها لأنه ربما یفضی الی الخصومة ولا نه سبق الیه بالجسم فصار کحی الموات ....وهذا لمن بسط بساطا او الی سجادة فی المسجد اوا لمجلس فان کان المکان واسعا لا یصلی ولا یجلس علیه غیره وان کان المکان ضیقا جاز لغیره ان یرفع البساط ویصلی فی ذلک المکان او یجلس ا ه.

بحواله فتاوی محمودیه (۶/ ۱۹۵) وکذا فی الدر المختار (۶۶۲/۱)

نماز کی ادیگی کے لئے گرجوں کو کرایہ پر حاصل کرنا

فقہی مقالات (۲۶۲/۱) عنوان ''مغربی ممالک کے چند جدید مسائل'' میں ہے۔

سوال: مغرب ممالک کے مسلمان بعض اوقات پنج وقتہ نماز اور نماز جمعہ اور نماز عیدین کی ادائیگی کے لئے عیسائیوں کے گرجے کرایہ پر حاصل کرتے ہیں، جبکہ ان کے مجسمے، تصاویر اور دوسری واہیات چیزیں بھی موجود ہوتی ہیں، کیونکہ یہ گرجے دوسرے ہالوں کی بنسبت کم کرایہ پر حاصل ہوتے ہیں، اور بعض اوقات تعلیمی اور خیراتی ادارے اپنا گرجا مسلمانوں کو مفت بھی فراہم کرتے ہیں، کیا اس قسم کے گرجوں کو کرایہ پر حاصل کر کے اس میں نماز ادا کرنا جائز ہے؟

جواب: نماز کی ادائیگی کے لئے گرجوں کو کرایہ پر لینا جائز ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''جعلت لی الارض کلها مسجداً''

''میرے لئے پوری زمین مسجد بنادی گئی ہے۔''

البتہ نماز کی ادائیگی کے وقت بتوں اور مجسموں کو وہاں سے اٹھادینا چاہئے، اس لئے کہ جس گھر میں مجسمے ہوں اس میں نماز مکروہ ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی نے مجسموں ہی کی وجہ سے گرجوں میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کا یہ قول ''کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ فی البیعۃ'' میں تعلیقاً ذکر کیا ہے، اور اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ان ابن عباس کان یصلی فی البیعة الا بیعة فیها تماثیل''

''حضرت ابن عباسؓ گرجے میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے، البتہ جس گرجے میں مجسمے ہوتے (اس میں نماز نہیں پڑھتے تھے)''

امام بغوی رحمہ اللہ نے اس کو مسنداً ذکر کیا ہے اور مزید یہ بھی لکھا ہے:

''فان کان فیها تماثیل خرج، فصلی فی المطر''

''اگر اس گرجے میں مجسمے ہوتے تو آپ باہر نکل آتے اور بارش میں ہی نماز پڑھ لیتے''(فتح الباری ص ۱/۵۳۲۔نمبر ۴۳۵)

مسجد میں کرسی پر وعظ کہنا جائز ہے

مسجد میں کرسی رکھ کر اس پر بیٹھنا اور وعظ کرنا شرعاً جائز ہے، نبی علیہ السلام سے ثابت ہے۔ اس زمانے میں بعض لوگ اسے بری نظر سے دیکھتے اور خلاف ادب تصور کرتے ہیں جو کہ غلط ہے۔

فی صحیح المسلم (۱/۲۸۷) قال ابور فاعةؓ انتهیت الی النبی ﷺوهو یخطب قال فقلت یا رسول اللّٰه رجل غریب جاء یسئل عن دینه لا یدری مادینه قال فاقبل علی النبی ﷺوتر ک خطبته حتی انتهٰی الیّ فاتی بکرسی حسبت قوائمه حدیدا قال فقعد علیه رسول اللّٰه ﷺ وجعل یعلمنی مما علمه اللّٰه ثم اتی خطبته فاتم اخرها.

قال النووی : وقعوده ﷺ علی الکرسی لیسمع الباقون کلامه ویروا شخصه الکریم.

برش سے مسجد کی صفائی کرنے کا حکم

اس بارے یہ تفصیل ہے کہ اگر برش خنزیر کے بالوں سے بنایا گیا ہو تو وہ نجس ہے، اسے مسجد لے جانا ہی جائز نہیں۔

فی الدر (۱/ ۶۵۶) وادخال نجاسة فیه ،وفی الشامیة : عبارة الاشباه : وادخال نجاسة فیه یخاف منها التلویث اه ومفاده الجواز لوجافة لکن فی الفتاوی الهندیة : لا یدخل المسجدمن علی بدنه نجاسةاه

اور اگر وہ خنزیر کے علاوہ جانوروں کے بالوں سے بنا ہو یا کسی مصنوعی چیز کا ہو

تو اسے مسجد لیجانا اور صفائی کرنا بلاشبہ درست ہے، اور اگر اشتباہ ہو کہ شاید خنزیر کے بالوں سے بنایا گیا ہو تو احتراز بہتر ہے۔

کیا شیشہ میں سترہ بننے کی صلاحیت موجود ہے؟

آج کل مساجد میں شیشے لگانے کا رواج ہے، مسجد کے ہال اور اس کے صحن کے درمیان بھی شیشہ لگادیا جاتا ہے، لوگ اس کی آڑ میں نمازیوں کے سامنے سے گزرتے ہیں، صحیح قول کے مطابق سترہ کی موٹائی کی شرعاً کوئی تحدید نہیں، سترہ اگر ایک انگلی کے برابر موٹا ہو تو بہتر ہے، اس سے کم بھی درست ہے چنانچہ ایک حدیث میں بال کے برابر باریک چیز کو بھی سترہ قرار دیا گیا ہے، اس لئے شیشہ بھی سترہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس کے ہوتے ہوئے نمازی کے سامنے سے گزرنا جائز ہے، نمازی کو شیشے میں گزرنے والے شخص کا محض نظر آنا سترہ سے مانع نہیں ہے۔

فی اعلاء السنن (۵/۷۰)عن ابی هريرة رضی الله تعالی عنه مرفوعاًيجزیء من السترة مثل مؤخرة الرحل ولوبدقة شعرة ،هذاحديث علی شرط الشيخين ولم يخرجاه مفسراً،قاله الحاكم فی المستدرک ۱/۲۵۲)واقره الذهبی عليه فی تلخيصه وقال علی شرطهما.

کیا جنگلہ سترہ کے حکم میں ہے؟

اس زمانے میں مساجد کے صحن اور برآمدوں کے درمیان اور اطراف میں جنگلے بنانے کا رواج ہے۔ کیا جنگلہ سترہ کے قائم مقام ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر جنگلے کی سلاخیں مسجد کی زمین اور فرش سے ایک ہاتھ یعنی دو بالشت کی مقدار اونچی ہوں تو وہ سترہ کے قائم مقام ہے اور اس کے پیچھے سے گزرنا جائز ہے۔ اگر سلاخیں انگلی کے برابر موٹی بھی ہوں تو بہت اچھا ہے، تاہم اگر اتنی موٹی نہ ہوں تو بھی گنجائش ہے۔ سلاخوں

کے درمیان کا خلاء اس کے سترہ بننے سے مانع نہیں ہے۔ اگر باریک جالیاں لگا دی گئی ہوں اور زمین سے دو بالشت اونچی ہوں تو بھی وہ سترہ کے حکم میں ہیں۔

فی الدر (۶۳۷) سترة بقدر ذراع طولاً و غلظ اصبع لتبدو للناظر .

وفی الشامیة :(قوله بقدر ذراع) بیان لاقلها ط والظاهر ان المراد به ذراع الید کما صرح به الشافعیة وهو شبران (قوله

وغلظ اصبع) کذا فی الهدایة ، لکن جعل فی البدائع بیان الغلظ قولا ضعیفا ، وانه لا اعتبار بالعرض وظاهره انه المذهب بحر ، ویؤیده ما رواه الحاکم وقال علی شرط مسلم انه ﷺ قال " یجزی فی السترة قدر مؤخرة الرحل ولو بدقة شعرة "

گرل کا حکم

آج کل سلاخوں کے جنگلہ کے بجائے گرل کا رواج زیادہ ہے، گرل کے بارے بھی بعینہ یہی تفصیل ہے۔

بچوں کو مساجد لانے کے احکام

اس زمانے میں نمازی حضرات بچوں کو مسجد لانے میں افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ایک طرف فیشن بن چکا ہے کہ ہر قسم کے بچوں کو مساجد لایا جاتا ہے، دوسری طرف کچھ نمازی اس پر سخت نکیر کرتے اور بچوں کو ڈانٹتے ہیں۔اسی طرح بچوں کے صف بنانے میں بھی کافی کوتاہیاں سامنے آئی ہیں، اسلئے بچوں کو مساجد لانے اور صف میں شامل ہونے کے احکام قدرے تفصیل سے لکھے جاتے ہیں۔یہاں دو مسائل الگ الگ ہیں۔

(۱) بچوں کو مساجد لانے کا حکم

(۲) بچوں کی صف بندی کا طریقہ۔

جہاں تک پہلے مسئلے کا تعلق ہے تو بچوں کی چار اقسام ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے

(۱) وہ بچے جو بالغ ہو چکے ہیں، ان کا حکم یہ ہے کہ ان پر نماز فرض ہے اور ان پر خود مسجد آنا ضروری ہے۔ اگر وہ نہ آئیں تو ولی کا انہیں لانا ضروری ہے، انہیں آنے کی تاکید کرنا واجب ہے، کیونکہ شرعاً یہ بچے ہی نہیں رہے۔

(۲) وہ نابالغ بچے جو قریب البلوغ ہوں اور پوری طرح باشعور ہوں، پاکی ناپاکی کو سمجھتے ہوں اور مسجد کا احترام ملحوظ رکھتے ہوں، ان کا حکم یہ ہے کہ انہیں مساجد میں لانا بلا کراہت جائز ہے بلکہ نماز کی عادت ڈالنے کیلئے لانا چاہئے البتہ سرپرست کو ان کی نگرانی بھی کرنا چاہئے تاکہ وہ مسجد میں کوئی شرارت یا آداب مسجد کے خلاف کوئی کام نہ کریں۔

(۳) وہ بچے جو کچھ تھوڑی بہت سمجھ رکھتے ہوں اور ان سے مسجد کی بے حرمتی اور ناپاک ہونے کا قوی اندیشہ نہ ہو، ان کا حکم یہ ہے کہ انہیں مسجد میں لانا درست ہے مگر بہتر یہ ہے کہ نہ لایا جائے۔

(۴) وہ بچے جو اتنے ناسمجھ اور کم عمر ہوں کہ انہیں ناپاکی و پاکی، مسجد و غیر مسجد کا بالکل شعور نہ ہو۔ اور ان سے مسجد کے ناپاک ہونے کا غالب گمان ہو، ان کا حکم یہ ہے کہ انہیں مسجد میں لانا جائز نہیں ہے۔ نمازیوں کو انہیں لانے سے بالکل روکنا واجب اور ضروری ہے۔

فی جمع الفوائد (۱/۱۳۹) ۹۵۵. (ابن عمر و بن العاص، امروا اولادکم بالصلوٰة وهم ابنا ء سبع واضربوهم عليها وهم ابناء عشر وفرقوا بينهم فی المضاجع لابی داؤد.

فی الدر المختار (۱/۶۵۶) مطلب فی احكام المسجد، ويحرم ادخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم والا فيكره.

وفی الشامية (قوله ويحرم الخ) لما اخرجه المنذری مرفوعا " جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وبيعكم وشرائكم ....والمراد بالحرمة التحريم لظنية الدليل ....والا فيكره) ای تنزيهاتامل.

قال الرافعی:(۱/۸٦)قول الشارح والافیکرہ)ای حیث لم یبالوا بمراعاۃ حق المسجد من مسح نخامۃ او تفل فی المسجد والا فاذا کانوا ممیزین ویعظمون المساجد بتعلم من ولی فلا کراھۃ فی دخولھم اہ سندی

بچوں کی صف بندی کے احکام

بچوں کی صف بندی کے مسائل واحکام یہ ہیں۔

(۱) اگر ایک ہی بچہ ہے تو اسے بڑوں کی صف میں کھڑا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

فی الدر (۱/ ۵۷۱) ثم الصبیان ، ظاھرہ تعددھم فلو واحدا دخل الصف اہ

(۲)اگر بچے دو یا دو سے زیادہ ہوں تو اصل حکم یہی ہے کہ وہ بڑوں کی صف کے پیچھے صف بنائیں گے، یہی سنت طریقہ ہے۔

فی سنن ابی داؤد (۱/ ۱۰۸) قال ابو مالک الاشعریؓ الا احدثکم بصلوۃ النبی ﷺ قال فاقام الصلوۃ فصف الرجال وصف الغلمان خلفھم ثم صلی بھم فذکر صلوتہ ثم قال ھکذا صلوۃ .....امتی ، کتاب الصلوۃ . باب مقام الصبیان فی الصف .

اسلئے جب جماعت کھڑی ہو تو پہلے مرد حضرات اپنی صف بنائیں، ان کے بعد بچے اپنی صف بنائیں، جب جماعت قائم ہوگئی اور اس کے بعد اگر کچھ مرد حاضر ہوں اور مردوں کی صف میں جگہ ہو تو پہلے وہ مردوں ہی کی صف کو مکمل کریں۔مردوں کی صف مکمل کرنے کیلئے اگر بچوں کے آگے سے گزرنا پڑے تو بھی درست ہے، گزرنے والا گناہ گار نہ ہوگا۔کیونکہ وہ شرعی ضرورت سے ایسا کررہا ہے، اور اگر بچوں کی صف کو درمیان سے چیر کر آگے جانا پڑے تو اس کی بھی اجازت ہے۔

فی الدر المختار (۱/ ۵۷۰) ولو وجد فرجۃ فی الاول لا فی الثانی لہ

خرق الثانی لتقصیرهم وفی الحدیث " من سد فرجة غفرله "

فی الشامیة عن القنیة قام فی آخر صف وبینه وبین الصفوف مواضع خالیة فللداخل ان یمر بین یدیه لیصل الصفوف لانه اسقط حرمة نفسه فلا یأثم المار بین یدیه الخ

اور اگر مردوں کی صفیں مکمل ہوچکی ہوں تو دیر سے آنے والے بچوں ہی کی صف میں دائیں بائیں جانب کھڑے ہوجائیں ،بعض حضرات ایسے موقعہ پر بچوں کو پیچھے ہٹا دیتے ہیں ، یہ طرز عمل صحیح نہیں ہے۔کیونکہ بچے اپنے صحیح اوردرست مقام پر کھڑے ہیں ۔مردوں کو اس صورت میں بچوں کی صف میں کھڑاہونا اسلئے درست ہے کہ بچوں اور مردوں کے صفوف کی مذکورہ ترتیب جماعت کے شروع میں ہے ۔نماز شروع ہوجانے کے بعدنہیں ہے۔

(۳) مذکورہ حکم اس وقت ہے کہ بچے مہذب تربیت یافتہ ہوں ، مسجد میں شور شرابہ نہ کرتے ہوں ۔ اگر خطرہ ہو کہ پیچھے صف بنانے کی صورت میں بچے شرارتیں کریں گے ،شور شرابہ کرکے اپنی نماز کو بھی باطل کریں گے اور مردوں کی نماز میں بھی خلل ڈالیں گے تو ایسی صورت میں انہیں پیچھے نہ کھڑا کیا جائے بلکہ انہیں مردوں ہی کی صفوں میں منتشر اور متفرق طور پر کھڑے کردینا چاہئے۔

فی التحریرالمختار (۱/۷۳) علی الشامیة : (قوله ذکره فی البحر بحثا)

قال الرحمتی: ربما یتعین فی زماننا ادخال الصبیان فی صفوف الرجال لان المعهود منهم اذااجتمع صبیان فاکثرتبطل صلوة بعضهم ببعض وربما تعدّی ضررهم الی افساد صلوة الرجال انتهی اه سندی .

(۴) نماز جمعہ وعیدین وغیرہ میں مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے اگر بچوں کو پیچھے اورعلیحدہ کھڑے کرنے کی صورت میں گم ہونے ،اغواء ہونے یا کسی بھی فتنہ فساد کا اندیشہ ہوتو مردوں کی صفوں میں کھڑا کرنا درست ہے۔

(۵) بعض مکاتب دینیہ کی مساجد میں بچوں کو مردوں کی صفوں میں انتہائی

دائیں یا بائیں جانب اکٹھے کھڑا کردیا جاتا ہے، یہ بھی درست ہے۔البتہ بچوں کو اگلی صفوں میں کھڑے کرنے کا مقصد شرارت اور شور شراب سے روکنا ہے اور اس صورت میں وہ سارے یکجا ہوتے ہیں شور شرابہ پھر بھی رہتا ہے، اسلئے ان کی نگرانی بھی سختی سے کرنی چاہئے۔

مسجد کے اطراف میں اونچا مکان بنانا

فتاوی رحیمیہ (۲/۲۴۱) میں ہے۔

سوال: مسجد کے سامنے (قبلہ) والی دیوار کے متصل مسجد سے اونچا مکان بناسکتے ہیں یا نہیں؟ بقیہ تین جہتوں میں مسجد سے اونچا مکان (قیام گاہ) بنانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد کے اردگرد، مسجد کی عمارت سے اونچے مکان بنانا جائز ہے۔اس سے مسجد کی بے حرمتی نہیں ہوتی۔

مسجد کو بیچنے کا حکم (مغربی ممالک کا ایک جدید مسئلہ)

فقہی مقالات (۱/۲۴۱) میں ہے۔

سوال: اگر امریکہ اور یورپ کے کسی علاقے کے مسلمان اپنے علاقے کو چھوڑ کر کسی دوسرے علاقے میں منتقل ہوجائیں اور پہلے علاقے میں جو مسجد ہو، اس کے ویران ہوجانے یا اس پر غیر مسلموں کا تسلط اور قبضہ ہوجانے کا خطرہ ہو تو کیا اس صورت میں اس مسجد کو بیچنا جائز ہے؟ اس لئے کہ عام طور پر مسلمان مسجد کے لئے مکان خرید کر اس کو مسجد بنالیتے ہیں اور پھر حالات کے پیش نظر اکثر مسلمان جب اس علاقے کو چھوڑ کر دوسرے علاقے میں منتقل ہوجاتے ہیں اور مسجد کو یوں ہی بیکار چھوڑ دیتے ہیں تو دوسرے غیر مسلم اس مسجد پر قبضہ کرکے اس کو اپنے تصرف میں لاتے ہیں، جب کہ یہ ممکن ہے کہ اس مسجد کو بیچ

کر دوسرے علاقے میں جہاں مسلمان آباد ہوں اسی رقم سے کوئی مکان خرید کر مسجد بنائی جائے ، کیا اس طرح مسجد کو دوسری مسجد میں تبدیل کرنا جائز ہے؟

الجواب: مغربی ممالک میں جن جگہوں پر مسلمان نماز ادا کرتے ہیں، وہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔

(۱) بعض جگہیں تو ایسی ہوتی ہیں جن کو مسلمان نماز پڑھنے اور دینی اجتماعات کے لئے مخصوص کر دیتے ہیں ،لیکن ان جگہوں کو شرعی طور پر دوسری مساجد کی طرح وقف کر کے شرعی مسجد نہیں بناتے ہیں ، یہی وجہ ہے کہ ان جگہوں کا نام بھی مسجد کی بجائے دوسرے نام مثلاً ''اسلامی مرکز'' یا ''دار الصلوۃ'' رکھ دیتے ہیں۔

اس قسم کے مکانات کا معاملہ تو آسان ہے، اس لئے کہ ان مکانات کو اگر چہ نماز کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لیکن جب ان کے مالکوں نے ان کو مسجد نہیں بنایا اور نہ ان کو وقف کیا ہے تو وہ شرعاً مسجد ہی نہیں ،لہذا ان مکانات کے مالک ،مسلمانوں کے مصالح کے پیش نظر ان کو بیچنا چاہیں تو شرعاً بالکل اجازت ہے، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

(۲) دوسرے بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں جن کو مسلمان عام مساجد کی طرح وقف کر کے شرعی مسجد بنا لیتے ہیں، جمہور فقہاء کے نزدیک اس قسم کی جگہوں کا حکم ہے کہ وہ مکان اب قیامت تک کے لئے مسجد بن گیا، اس کو کسی صورت میں بیچنا جائز نہیں اور نہ وہ مکان اب وقف کرنے والے کی ملکیت میں داخل ہو سکتا ہے، امام مالک ،امام شافعی ،امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمھم اللہ کا یہی مسلک ہے۔ چنانچہ مسلک شافعی کے امام خطیب شربینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولو انهدم مسجد، وتعذرت اعادته ،اوتعطل بخراب البلد مثلاً، لم يعد ملكا ولم يبع بحال ، كالعبد اذا اعتق ثم زمن ولم ينقض ان لم يخف عليه لامكان الصلوة فيه ولامكان عوده كما كان فان خيف عليه نقض وبنى الحاكم بنقضه مسجداً آخر ان رأى ذلك والاحفظه وبناه بقربه اولىٰ.

''اگر مسجد منہدم ہو جائے اور اس کو دوبارہ درست کرنا ممکن نہ ہو یا اس بستی کے اجڑ جانے سے وہ مسجد بھی ویران ہو جائے تب بھی وہ مسجد مالک کی ملکیت میں نہیں آئے

گی، اور نہ اس کو بیچنا جائز ہوگا، جیسا کہ غلام کو آزاد کردینے کے بعد اس کی بیع حرام ہو جاتی ہے، پھر اگر اس مسجد پر غیر مسلموں کے قبضہ کا خوف نہ ہو تو اس کو منہدم نہ کیا جائے، بلکہ اس کو اپنی حالت پر برقرار رکھا جائے، اس لئے کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ مسلمان دوبارہ یہاں آکر آباد ہو جائیں اور اس مسجد کو دوبارہ زندہ کردیں...... البتہ اگر غیر مسلموں کے تسلط اور قبضہ کا خوف ہو تو اس صورت میں حاکمِ وقت مناسب سمجھے تو اس مسجد کو ختم کردے اور اس کے بدلے میں دوسری جگہ مسجد بنادے اور یہ دوسری مسجد پہلی مسجد کے قریب ہونا زیادہ بہتر ہے، اور اگر حاکم وقت اس مسجد کو توڑنا اور مسمار کرنا مناسب نہ سمجھے تو پھر اس کی حفاظت کرے۔ (مغنی المحتاج: ۳۹۲/۲)

اور فقہاء مالکیہ میں سے علامہ موفق رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"ابن عرفة من المدونة وغيرها، يمنع ماخرب من ربع الحبس مطلقاً وعبارة الرسالة ولايباع الحبس وان خرب وفي الطرر عن ابن عبدالغفور: لايجوز بيع مواضع المساجد الخربة، لانها وقف، ولابأس ببيع نقضها"

"ابن عرفہ مدونہ وغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ وقف مکان کی بیع مطلقاً جائز نہیں، اگرچہ وہ ویران ہو جائے اور رسالہ میں یہ عبارت درج ہے کہ وقف کی بیع جائز نہیں اگرچہ وہ ویران ہو جائے طرر میں ابن عبدالغفور سے یہ عبارت منقول ہے کہ ویران مساجد کی جگہوں کو بیچنا وقف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔ البتہ ان کا ملبہ بیچنا جائز ہے"

(التاج والاکلیل للموفق، حاشیہ حطاب، ۴۲/۶)

اور فقہ حنفی کی مشہور و معروف کتاب ہدایہ میں ہے:

"ومن اتخذ ارضه مسجداً لم يكن له ان يرجع فيه، ولايبيعه ولايورث عنه لانه تجرد عن حق العباد، وصار خالصاً لله وهذا لان الاشياء كلها لله تعالىٰ واذا اسقط العبد ماثبت له من الحق رجع الى اصله فانقطع تصرفه عنه، كمافي الاعتاق، ولوخرب ماحول المسجد، واستغنى عنه يبقى مسجداً عند ابي يوسفؒ لانه اسقاط منه فلايعود الى ملكه"

"اگر کسی شخص نے اپنی زمین مسجد کے لئے وقف کردی تو اب وہ شخص نہ تو اس

وقف سے رجوع کرسکتا ہے اور نہ اس کو بیچ سکتا ہے ،اورنہ اس میں وراثت جاری ہوگی ،اس لئے کہ وہ جگہ بندہ کی ملکیت سے نکل کر خالص اللہ کے لئے ہوگئی ،وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر چیز حقیقتاً اللہ کی ملکیت ہے(اور اللہ تعالیٰ نے بندے کو تصرف کا حق عطا فرمایا ہے)جب بندہ نے اپنا حق تصرف ساقط کردیا تو وہ چیز ملکیت اصلی یعنی اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہوجائے گی،لہذا اب بندے کا اس میں تصرف کا حق ختم ہوجائے گا،جیسا کہ آزاد کردہ غلام میں (بندہ کو حق تصرف ختم ہوجاتا ہے)اوراگر مسجد کے اطراف کا علاقہ ویران ہوجائے اور مسجد کی ضرورت باقی نہ رہے تب بھی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مسجد ہی رہے گی ،اس لئے کہ اس کو مسجد بنانا اپنے حق کو ساقط کرنا ہے ،لہذا بندہ کا اپنا حق ساقط کرنے کے بعد دوبارہ وہ حق اس کی ملکیت میں واپس نہیں آئے گا"(ہدایہ مع فتح القدیر ۵/۴۴۶)

البتہ امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر مسجد کے اطراف کی آبادی ختم ہوجائے اور مسجد کی ضرورت بالکلیہ ختم ہوجائے تو اس صورت میں مسجد کو بیچنا جائز ہے ،چنانچہ المغنی لابن قدامہ میں یہ عبارت منقول ہے:

"ان الوقف اذاخرب ،وتعطلت منافعه ،كدارانهدمت اوارض خربت ،وعادت امواتاً،ولم تمكن عمارتهااومسجدانتقل اهل القرية عنه ،وصارفی موضع لايصلی فيه ،اوضاق باهله ،ولم يمكن توسيعه فی موضعه ،اوتشعب جميعه فلم تمكن عمارته ولاعمارة بعضه الابيع بعضه ،جازبيع بعضه لتعمربه بقيته وان لم يمكن الانتفاع بشیء منه بيع جميعه"

"اگر وقف کی زمین ویران ہوجائے اور اس کے منافع ختم ہوجائیں ،مثلاً کوئی مکان تھا وہ منہدم ہوگیا یا کوئی زمین تھی جو ویران ہوکر ارض موت بن گئی یا کسی مسجد کے اطراف میں جو آبادی تھی وہ کسی دوسری جگہ منتقل ہوجائے اور اب مسجد میں کوئی نماز پڑھنے والا بھی نہ رہے ،یا وہ مسجد آبادی کی کثرت کی وجہ سے نمازیوں سے تنگ ہوجائے اور مسجد میں توسیع کی بھی گنجائش نہ ہو یا اس مسجد کے اطراف میں رہنے والے لوگ منتشر ہوجائیں اور جو لوگ وہاں آباد ہوں وہ اتنی قلیل تعداد میں ہوں کہ ان کے لئے اس مسجد کی تعمیر اور درست کرنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں اس مسجد کے کچھ حصے کو فروخت

کر کے اس کی رقم سے دوسرے حصے کی تعمیر کرنا جائز ہے اور اگر مسجد کے کسی بھی حصے میں انتفاع کا کوئی راستہ نہ ہو تو اس صورت میں پوری مسجد کو بیچنا بھی جائز ہے۔(المغنی لابن قدامہ مع الشرح الکبیر ۲۲۵/۶)

امام احمدؒ کے علاوہ امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ بھی جواز بیع کے قائل ہیں، ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر وقف زمین کی ضرورت بالکلیہ ختم ہو جائے تو وہ زمین دوبارہ واقف کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی، اور اگر واقف کا انتقال ہو چکا ہو تو پھر اس کے ورثہ کی طرف ہو جائے گی، چنانچہ صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:

وعند محمدؒ یعود الیٰ ملک البانی ، او الیٰ وارثہ بعد موتہ، لانہ عینہ لنوع قربۃ ، وقد انقطعت فصار کحصیر المسجد وحشیشہ اذا استغنی عنہ"

امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ زمین دوبارہ مالک کی ملکیت میں چلی جائے گی اور اگر اس کا انتقال ہو چکا ہے تو اس کے ورثہ کی طرف منتقل ہو جائے گی، اس لئے کہ اس کے مالک نے اس زمین کو ایک مخصوص عبادت کے لئے متعین کر دیا تھا، اب جب کہ اس جگہ پر اس مخصوص عبادت کی ادائیگی منقطع ہو گئی تو پھر اس کی ضرورت باقی نہ رہنے کی وجہ سے وہ مالک کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی، جیسے کہ مسجد کی دری، چٹائی یا گھاس وغیرہ کی ضرورت ختم ہونے کے بعد وہ مالک کی ملکیت میں واپس لوٹ آتی ہے۔(ہدایہ مع فتح القدیر ۴۴۶/۵) لہذا جب وہ مالک کی ملکیت میں واپس آ گئی تو اس کے لئے اس کو بیچنا بھی جائز ہوگا۔

جمہور فقہاء نے وقف زمین کی بیع ناجائز ہونے اور مالک کی ملکت میں دوبارہ نہ لوٹنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقف کے واقعہ سے استدلال کیا ہے، وہ یہ کہ حضرت اقدس ﷺ کے زمانے میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر کی زمین وقف کی تو وقف نامہ میں یہ شرائط درج کیں کہ:

"انہ لایباع اصلھا، ولا تبتاع ولا تورث ولا توھب"

"آئندہ وہ زمین نہ تو بیچی جائے گی، نہ خریدی جائے گی، نہ اس میں وراثت جاری ہوگی، اور نہ کسی کو ہبہ کی جاسکے گی"

یہ واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے البتہ مندرجہ بالا الفاظ صحیح مسلم کے ہیں ۔امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بیت اللہ کو دلیل میں پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فترۃ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور حضور اقدس ﷺ کے درمیان کا عرصہ)کے زمانے میں بیت اللہ کے اندر اور اس کے اطراف میں بت ہی بت تھے،اور بیت اللہ کے اطراف میں ان کفار و مشرکین کا صرف شور مچانے چیخنے اور سیٹیاں بجانے کے علاوہ کوئی کام نہ تھا،اس کے باوجود بیت اللہ مقام قربت اور مقام عبادت وطاعت ہونے سے خارج نہیں ہوا،لہذا یہی حکم تمام مساجد کا ہوگا،(کہ اگر کسی مسجد کے قریب ایک مسلمان بھی نہ رہے جو اس میں عبادت کرے تب بھی وہ مسجد محل عبادت ہونے سے خارج نہیں ہوگی)امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے مندرجہ بالا استدلال پر علامہ ابن الھمام رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اعتراض کیا ہے کہ فترۃ کے زمانے میں بیت اللہ کا طواف تو کفار و مشرکین بھی کرتے تھے،لہذا یہ کہنا درست نہیں کہ اس زمانے میں عبادات مقصودہ بالکل ختم ہوگئی تھیں۔

اس اعترض کے جواب میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کے قیام کا مقصد صرف طواف کرنا نہیں ہے بلکہ بیت اللہ کے قیام کا بڑا مقصد اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ہے ،یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کے جوار میں اپنی اولاد کے قیام کا ذکر فرمایا تو اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ " ربنالیقیموا الصلوۃ "اے میرے رب! میں نے ان کو یہاں اس لئے ٹھرایا ہے) تا کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں"

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نماز کا ذکر فرمایا،طواف کا ذکر نہیں فرمایا،اس کے علاوہ خود اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"طھر بیتی للطائفین والعاکفین"

''میرے گھر کو مسافروں اور مقیمین کے لئے پاک کرو"

یہ استدلال اس وقت درست ہے جب "طائفین ''اور''عاکفین'' کی تفسیر مسافر اور مقیم سے کی جائے ،جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیت '':سواءً العاکف فیہ والباد"میں لفظ "عاکف"مقیم کے معنی میں ہی استعمال ہوا ہے،اعلاء السنن (۲۱۲/۱۳)اس

کے علاوہ جمہور کی سب سے مضبوط دلیل قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے: "وان المساجدللّٰه فلاتدعوا مع اللّٰه احداً"

"اورتمام مساجداللہ کا حق ہیں سو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو"

(سورۃ الجن :۱۸)

چنانچہ اس آیت کے تحت علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن میں تحریرفرماتے ہیں:

"اذاتعینت لله اصلاًوعینت له عقد،فصارت عتیقة عن التملک ،مشترکة بین الخلیقة فی العبادة"

"کہ جب وہ مسجدیں خالص اللہ کے لئے ہوگئیں،توبندہ کی ملکیت سے آزاد ہوگئیں،اورصرف عبادت اداکرنے کی حدتک تمام مخلوق کے درمیان مشترکہ ہوگئیں"

(احکام القرآن لابن العربی۴/۸۶۹)

اورعلامہ ابن جریرطبری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عکرمہ کاقول نقل فرماتے ہیں:

وان المساجدلله :قال :المسجدکلها"

"بے شک مسجدیں اللہ کے لئے ہیں"

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں:"کہ تمام مسجدیں اس میں داخل ہیں کسی کی تفریق نہیں" تفسیرابن جریر(ص۷۳،پارہ ۲۹)

علامہ ابن قدامہ امام احمدرحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی تائید میں حضرت عمررضی اللہ عنہ کاوہ مکتوب پیش کرتے ہیں جوانہوں نے حضرت سعدرضی اللہ عنہ کولکھاتھا،واقعہ یہ ہواکہ کوفہ کے بیت المال میں چوری ہوگئی ،جب اس کی اطلاع حضرت عمرکوہوئی تو آپ نے لکھاکہ موضع تمارین کی مسجدنقل کرکے بیت المال کے قریب اس طرح بناؤ کہ بیت المال مسجد کے قبلہ کی سمت میں ہوجائے ،اس لئے کہ مسجدمیں ہروقت کوئی نہ کوئی نمازی موجودہی ہوتاہے(اس طرح بیت المال کی بھی حفاظت ہوجائے گی)

المغنی لابن قدامہ ۶/۲۲۶)

اس کاجواب دیتے ہوئے علامہ ابن الھمام رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ:ممکن ہے

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد مسجد کو منتقل کرنا نہ ہو۔ بلکہ بیت المال کو منتقل کر کے مسجد کے سامنے بنانے کا حکم دیا ہو۔ (فتح القدیر ۲۴۶/۵)

بہر حال ! مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس سلسلے میں جمہور کا مسلک راجح ہے، لہذا کسی مسجد کے شرعی مسجد بن جانے کے بعد اس کو بیچنا جائز نہیں ، اگر مسجد کو بیچنے کی اجازت دیدی جائے تو پھر لوگ مسجدوں کو بھی گرجا گھروں کی طرح جب چاہیں گے بیچ دیں گے ، اور مسجدیں ایک تجارتی سامان کی حیثیت اختیار کرلیں گی۔

لیکن فقہاء ؒ کے مندرجہ بالا اختلاف کی وجہ سے چونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور دونوں طرف قرآن وسنت کے دلائل موجود ہیں، لہذا اگر کسی غیر مسلم ملک میں مسجد کے اطراف سے تمام مسلمان ہجرت کر کے جاچکے ہوں اور اس مسجد پر کفار کے قبضہ اور تسلط کے بعد اس کے ساتھ بے حرمتی کا معاملہ کرنے کا اندیشہ ہو اور مسلمانوں کے دوبارہ وہاں آکر آباد ہونے کا کوئی امکان نہ ہو تو اس ضرورت شدیدہ کے وقت امام احمد یا امام محمد بن الحسن رحمہما اللہ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے اس مسجد کو بیچنے اور اسکی قیمت سے کسی دوسری جگہ مسجد بنانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، البتہ اس کو مسجد کے سوا کسی اور مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں ، اس پر فقہاء حنابلہ کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

”ولو جاز جعل اسقل المسجد سقاية وحوانيت لهذه الحاجة ، لجاز تخريب المسجد وجعله سقاية وحوانيت ، ويجعل بدله مسجدافی موضع آخر “ المغنی لابن قدامه (٢٦٨/٦)

بہر حال : امام احمد رحمہ اللہ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے جہاں مسجد کی بیع کی اجازت دی گئی ہے وہ اس وقت ہے جب تمام مسلمان اس مسجد کے پاس سے دوسری جگہ منتقل ہوجائیں اور دوبارہ ان کے واپس آنے کا کوئی امکان نہ ہو، لیکن اگر تمام مسلمان تو وہاں سے منتقل نہ ہوئے ہوں بلکہ مسلمانوں کی اکثریت وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہوگئی ہو، بعض مسلمان اب بھی وہاں رہائش پذیر ہوں تو اس صورت میں اس مسجد کی بیع کسی حال میں بھی جائز نہیں ، حتی کہ فقہاء حنابلہ بھی عدم جواز کے قائل ہیں، چنانچہ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"وان لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية ،لكن قلت ،وكان غيرالفع منه ،واكثرردا على اهل الوقف لم يجزبيعه ،لان الاصل تحريم البيع ،والمابيح للضرورة صيانة لمقصودالوقف عن الضياع مع امكان تحصيله ومع الانتفاع ،وان قل مايضيع المقصود. المغنى لابن قدامه (٦/٢٢٧)

مسجد میں جوتے چوری ہونے کے چند مسائل

(۱) اگر کسی کے جوتے مسجد سے گم ہو جائیں تو اس کے لئے کسی دوسرے نمازی کے جوتے لے جانا جائز نہیں ہے، بے شک اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے لیکن زیادتی کرنے والا معلوم نہیں ہے، اس لئے وہ کسی اور پر زیادتی نہیں کرسکتا، جیسے اگر کسی کو دھوکہ میں جعلی نوٹ مل گئے تو انہیں ضائع کرنا ضروری ہے، انہیں آگے چلانا جائز نہیں ہے۔

فی قواعدالفقه(ص ۱۲۲)عن السير: المظلوم له ان يدفع الظلم عن نفسه بماقدرعليه لكن ليس له ان يظلم غيره.

(۲) اگر کسی طرح اس بات کا یقین یا غالب ظن پیدا ہو جائے کہ جو شخص اس کے جوتے لے گیا ہے فلاں جوتے اسی نے چھوڑے ہیں مثلاً اسے کسی دیکھنے والے نے بتادیا یا وہ اس جگہ پڑے ہیں جہاں اس کے جوتے تھے یا وہ جوتے اور اس کے جوتے ایک جیسے ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں:

☆ اس کے جوتے چور لے گیا ہو اور کم قیمت کے جوتے چھوڑ دئے ہوں، اس صورت میں وہ شخص یہ جوتے خود لے سکتا ہے۔

☆ اس کے جوتے کوئی شخص مغالطہ میں لے گیا ہے اور ان سے مشابہ جوتے رہ گئے ہیں، اس صورت میں اگر اس کا سراغ لگانا ممکن ہو تو سراغ لگانا اور جوتے اصل مالک تک پہنچانا ضروری ہے، اور اگر سراغ لگانا ممکن نہ ہو تو اتنی مدت تک انتظار ضروری ہے کہ جتنی مدت میں اس کے آنے اور اپنے جوتے تلاش کرنے کی توقع ہوسکتی ہے۔ اگر اتنے انتظار کے باوجود نہ آیا تو وہ یہ جوتے لے کر خود استعمال کرسکتا ہے اور اگر سراغ لگانا بھی ممکن

نہ ہواوراس کا بھی یقین یا غالب گمان ہوکہ وہ اپنے جوتے لینے واپس نہیں آیگا تو بھی انہیں خود لے سکتا ہے،البتہ ان تمام صورتوں میں اگر بدل کر آئے ہو جوتوں کی قیمت زیادہ ہو تو بقدر زائد رقم صدقہ کردے۔

☆اگر وہاں زائد جوتے پڑے ہوئے ہیں لیکن معلوم نہیں کہ یہ اس شخص کے ہیں جو اس کے جوتے لے گیا ہے یا کسی اور کے ہیں تو ان کا حکم لقطہ والا ہے یعنی اگر وہ مستحق اور فقیر ہے تو خود رکھ سکتا ہے اور اگر وہ مستحق نہیں ہے تو خود رکھنا جائز نہیں ہے ،کسی مستحق پر صدقہ کرنا ضروری ہے ،اگر اٹھالئے ہیں تو ان کے استعمال کے جواز کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اپنی بالغ اولاد یا کسی دوسرے عزیز پر صدقہ کردے بشرطیکہ وہ فقیر اور مستحق ہوں ،پھر وہ اپنی رضامندی سے صدقہ کرنے والے کو واپس کردیں۔

فی خلاصة الفتاوی(۳۵۰/۴)امرأة وضعت ملاء تهافجاء ت امرأة اخری ووضعت ملاء تهاثم جاء ت الاولیٰ واخذت ملاء ة الثانية وذهبت لایسع للثانية ان تنتفع بملاء ة الاولیٰ والحیلة ان تتصدق الثانية بهذه الملاء ة علی بنتهاان کانت فقیرة علی نیة ان یکون الثواب لصاحبتهاان رضیت ثم رضیت تهب البنت الملاء ة منهافیسعهاالانتفاع بهاکاللقطة اه

☆کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی کے جوتے گم ہوئے تو متبادل جوتے چھوڑ کر چلا جاتا ہے، مسجد کی انتظامیہ ،مؤذن اور خادم کو چاہئے کہ ایسے لاوارث جوتوں کے سنبھالنے کا انتظام کرے اور کسی مستحق کو دیدیا کرے۔

تمت بحمدا للّٰہ سبحانه وهو الموفق

هذاآخر ماوردت ایراده فی هذا المختصر

ریاض محمد بلگرامی

فاضل جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

مفتی ومدرس دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی





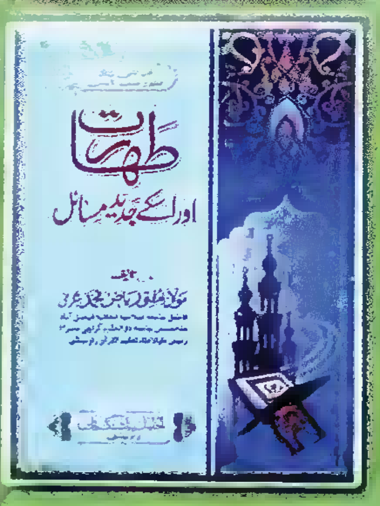


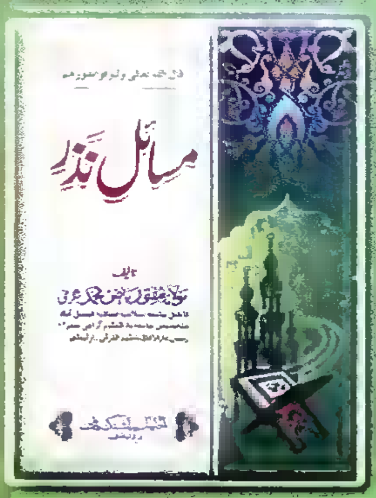












Waseem Graphics,0333-4165728

